اقبال کا وژن

ڈاکٹر نسرین اختر

پبلشر

[illegible] و تصنیف پاکستان

پوسٹ بکس نمبر ۱۹۳۳، لاہور

وجودِ زن سے ہے تصویرِ کائنات میں رنگ
اسی کے ساز سے ہے زندگی کا سوزِ دروں

اقبال اور وجودِ زن

ڈاکٹر نسرین اختر

پبلشر

ادارۂ تحقیق و تصنیف پاکستان

پی او بکس نمبر ۱۹۱۴، لاہور

قیمت ۴۰ روپے

جملہ حقوق بحق مصنفہ محفوظ ہیں

اقبال اور وجودِ زن

مصنفہ	ڈاکٹر نسرین اختر
تاریخ اشاعت پہلا ایڈیشن	دسمبر ۱۹۷۸ء
تعداد، بار اوّل	ایک ہزار
طباعت	آفسٹ
کتابت	شمس العارفین عارف
پبلشر	ادارۂ تحقیق و تصنیف پاکستان
پرنٹر و مطبع	منظور احمد، منظور پرنٹنگ پریس لاہور
قیمت	چالیس روپے

ملنے کا پتہ :- جنرل سیکرٹری ادارہ تحقیق و تصنیف پاکستان، معرفت پی او بکس نمبر ۱۹۱۴ لاہور

مندرجات

باب ۱ ـــــ اسلام میں عورت کا مقام	۱۰
باب ۲ ـــــ اقبال اور وجودِ زن	۲۳
باب ۳ ـــــ اقبال اور پردہ	۴۰
باب ۴ ـــــ اقبال اور تعلیم نسواں	۵۷
باب ۵ ـــــ اقبال اور امومت	۸۰
باب ۶ ـــــ گلہائے عقیدت	۱۱۲

انتساب

اپنی والدہ مرحومہ کے نام

دیباچہ

قدرت نے عورت کے اعضاء میں نزاکت، ملائمت، خوبصورتی دلکشی اور تخلیقی قوت بخشی ہے۔ انہی اوصاف پر نسوانیت کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ مغربی تہذیب میں عورتوں نے انہی امتیازات کو مٹا کر نسوانیت کی بنیادوں کو متزلزل کر دیا ہے۔ ان عورتوں سے کبھی بھی یہ امید نہیں رکھی جا سکتی کہ وہ قوم کو بہترین نسل دے سکیں گی۔

عورت کیونکہ صرف عورت بننے کیلئے پیدا کیا گیا ہے اس لئے اسے مردانہ اوصاف نہیں دیئے گئے۔ عورت اور مرد کے قدرتی فرائض کو مدنظر رکھ کر یہ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ قدرت نے دونوں کو اپنی اپنی صلاحیتوں کے مطابق مختلف فرائض سونپے ہیں۔ ان فرائض میں سب سے اہم فرض امومت کا ہے جس پر تمام کائنات کا انحصار ہے اسی اہم فرض کی وجہ سے عورت کا مقام معاشرے میں بہت ہی بلند و ارفع ہے۔ محققین اس بات پر متفق ہیں کہ عورتوں کا مردوں کے فرائض سنبھالنا یا ان میں شریک ہونا ایک خطرناک معاشرتی بیماری ہے اور قانون فطرت کی خلاف ورزی ہے[۱]۔ کوئی قوم کامل نہیں کہلائی جا سکتی جب تک کہ اس کے کاموں کی تقسیم نہ کر دی جائے یہ تقسیم عورت اور مرد دونوں کے استعداد اور جبلی صلاحیتوں کے مطابق ہونا چاہیئے۔ برخلاف اس کے جو قومیں اصول فطرت کی مخالفت کرتے ہوئے عورت اور مرد کے فرائض میں اختلاط کر دیتی ہیں وہ قومیں صفحہ ہستی سے یوں مٹ جاتی ہیں گویا ان کا نام و نشان بھی نہیں ہوتا۔

جس طرح ایک قیمتی اور نایاب چیز کیلئے حفاظت ضروری ہوتی ہے اسی طرح قدرت نے مرد کو عورت جیسی نایاب اور گراں بہا دولت کی حفاظت کا فرض عطا کیا ہے۔ اگر مردوں میں خودی کی تکمیل ہو گی تو وہ عورت کی حفاظت اور اسکے وقار کا پورا پورا خیال رکھیں گے اگر مردوں کی خودی درجہ کمال کو نہ پہنچی ہو تو وہ نہ تو عورت کے تقدس کا لحاظ رکھ سکیں گے اور نہ ہی عورت کی فضیلت کا پاس رکھ سکیں گے۔ ایسے مردوں کے لئے تو عورت محض ایک تفریح طبع کا

۱۔ مسلمان عورت ص ۱۲۷ از مولانا ابوالکلام آزاد

باعث ہونے کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔ مغرب کے لوگ خودی کے نہ ہونے کی وجہ سے نہ تو عورت کے تقدس کا احترام کر سکے اور نہ ہی وہ عورت کی نسوانیت کے محافظ بن سکے یہی وجہ ہے کہ مغرب کی عورت آزادانہ ماحول کو اپنا کر معراج نسوانیت سے گر چکی ہے۔ مغربی عورتوں کی اس پستی کی ذمہ داری مغربی معاشرے اور مغربی نظامِ تعلیم پر ہے جس نے عورت کے حقیقی فرائض سے عورت کو باغی اور آزاد بنا کر عورت کے وقار کو خاک میں ملا دیا ہے علامہ اقبال اسی لئے مغربی نظام تعلیم سے شاکی ہو کر اہل مشرق کو خبردار کرتے ہیں کہ وہ مغربی نظامِ تعلیم کی خرابیوں کو پیش نظر رکھ کر اس نظام تعلیم سے گریز کریں جو انسان کو حقیقی خوبیوں سے محروم کرتا ہے۔ اقبال مغربی نظام تعلیم کو مذہب، اخلاق، مروت اور خودی کے خلاف ایک سازش قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

اور یہ اہل کلیسا کا نظام تعلیم
ایک سازش ہے فقط دین و مروت کیخلاف

اقبال کے نزدیک مغربی نظام تعلیم ہی دراصل اخلاقی پستی اور عدم ہمتی کا ذمہ دار ہے۔ ان کے نزدیک مغربی تہذیب سے متاثر افراد کے دل سوزِ دروں سے خالی ہوتے ہیں اسی نظریے کو پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

جو آنکھ کہ ہے سرمۂ افرنگ سے روشن
پر کار و سخن ساز ہے نمناک نہیں ہے

اقبال ان لوگوں کے خلاف ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ لوگوں کو بدلتے ہوئے جدید حالات کے ساتھ ساتھ جدید تحریکات کو اپنانا چاہیئے یہ لوگ زیادہ تر ان جدید رجحانات کی پیروی کرنے کی تلقین کرتے ہیں جن کے تحت عورت اور مرد کو معاشرے میں یکساں فرائض ادا کرنے کے لئے اکسایا جاتا ہے یا ترغیب دی جاتی ہے۔ اقبال اس تحریک جدید کو مغربی تقلید کا ایک ذریعہ سمجھتے ہوئے اس سے بچنے کی تلقین کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

لیکن مجھے ڈر ہے کہ آوازۂ تجدید
مشرق میں ہے تقلید فرنگی کا بہانہ

اقبال مشرقی عورتوں کو اور خاص کر مسلمان عورتوں کو مغربی تہذیب سے متاثر عورتوں کی تقلید سے دور رہنے کی اس لئے تلقین کرتے ہیں کہ یورپ کی عورت اپنی دراز زلفیں

جنسوانی حسن کا منبع اور شاعری کی روح رواں ہیں حجاموں کی نذر کر کے ہر میدان میں آگودی ہے اور اسی لئے تہی آغوشی کو پسند کرتی ہے تاکہ وہ آزادانہ مردوں کی باہوں میں باہیں ڈال کر رقص و سرود کی محفلوں کو سجا سکے دوسری طرف وہ مردوں کے مشاغل میں شریک ہو کر اپنے فرائض منصبی سے یکسر بے خبر ہو چکی ہے جس کی وجہ سے وہ زوجیت اور امومت جیسی نعمتوں سے متنفر نظر آتی ہے۔ گویا قدرت جن فرائض کی ادائیگی کے لئے عورت کو وجود میں لائی یورپ کی عورتوں نے ان کو بالکل فراموش کر دیا ہے یہی اور ان کی تقلید کرنے والی عورتیں عورت کے نام پر ایک بدنما دھبہ ہیں اور بقول علامہ اقبال نہ تو انہیں عورت کہا جا سکتا ہے اور نہ مرد بلکہ وہ در حقیقت ایک تیسری جنس میں تبدیل ہو چکی ہیں۔ جو معاشرے کیلئے زبردست بوجھ کے علاوہ معاشرتی بے راہ روی کا باعث بھی ہیں انہی عورتوں کی وجہ سے معاشرے میں قسم قسم کی برائیاں جنم لے رہی ہیں۔

قومیں افراد سے بنتی ہیں جن کی پیدائش اور تربیت کا انحصار ماؤں پر ہے۔ ظاہر ہے کہ مائیں اپنی اولاد کی اعلیٰ پرورش کر کے قوم کو بہترین افراد مہیا کر سکتی ہیں۔ اس صورت میں یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ صرف ماں ہی وہ مقدس ہستی ہے جو ایک باکردار اور بلند اخلاق قوم کے بنانے میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ اور یہی چیز معاشرے میں عورت کی افادیت کا بین ثبوت ہے مگر افسوس تو اس بات کا ہے کہ عورتیں اپنے دل و دماغ میں اپنی افادیت کا احساس ہی نہیں کرتیں۔ اسی عدم احساس نے عورت کو احساس کمتری کا شکار بنا رکھا ہے جس کی وجہ سے وہ مجسمۂ مظلومیت بنی ہوئی ہیں۔ لہٰذا جب تک عورت صحیح معنوں میں معاشرے میں اپنی اہمیت اور افادیت کا احساس اپنے دل میں بیدار نہیں کرتی اسوقت تک وہ احساس کمتری کے جال سے چھٹکارا بھی نہیں پا سکتی اسی لئے علامہ اقبال نے جہاں مردوں کو عورتوں کی قدر و منزلت کا احساس دلایا ہے وہاں عورتوں کو بھی یہ تلقین کی ہے کہ وہی دراصل کائنات کی رنگ و بو کا باعث ہیں اور انہی کی وجہ سے دنیا میں چہل پہل اور رونق ہے لہٰذا وہ اپنے بلند اوصاف کی بنا پر معاشرے میں وہ کردار ادا کریں جس کیلئے قدرت نے انہیں پیدا کیا ہے۔

معاشرے میں جہاں مرد کا وجود معاشی مسائل اور مشکلات کو حل کرنے کے لئے ضروری ہے وہاں عورت کا وجود معاشرتی زندگی کے قیام اور بقا کے لئے انتہائی اہمیت رکھتا ہے۔ تہذیب کے ارتقاء میں عورت کی فطرت مرد کی فطرت سے کہیں زیادہ بلند واقع ہوئی ہے وہ سراپا فرض، قربانی اور قناعت کی تصویر ہے وہ اپنی ذات اور اپنے

آرام و آسائش کو ترک کر کے ہر قیمت پر اپنی اولاد کی تربیت اور خاندان کی عزت اور وقار کی عظمت کیلئے کمر بستہ رہتی ہے۔ "قدرت نے اسے مرد سے کہیں زیادہ قوت برداشت اور صبر کی دولت عطا کی ہے جس کی وجہ سے وہ عفو و درگذر میں خدا کے حکم کا مجسمہ ہے۔ "تمام اعلیٰ انسانی اوصاف کے لحاظ سے عورت، مرد کے مقابلے میں بدرجہا بہتر صفات کی مالک ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ ایک ان پڑھ عورت معاشرتی زندگی کے جو فرائض نہایت خوش اسلوبی سے سرانجام دے سکتی ہے وہ ایک تعلیم یافتہ مرد کے بس کی بات نہیں۔ مذہبی لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو عورت مرد کے مقابلے میں نہایت راسخ العقیدہ ہوتی ہے بلکہ بقول علامہ اقبال عورت مذہبی روایات کی امین ہے۔ باوجود ان ہزاروں خوبیوں اور اوصاف کے مرد اس مغالطے میں ہیں کہ قدرت نے مردوں کو عورتوں کا حاکم بنا دیا ہے۔ اسی تصور نے عورتوں کو مردوں کے ظلم و ستم کا شکار بنا رکھا ہے حالانکہ قرآن حکیم نے مردوں کو عورتوں کا حاکم نہیں بلکہ ان کا محافظ بنایا ہے "تاکہ وہ جوہر نسوانیت کا محافظ بن کر قوم کے لئے بہترین نسل مہیا کرنے میں عورت کا مددگار ثابت ہو سکے۔ عورت کو خاندان، قوم اور بنی نوع انسان کی بقا کے لئے قدرت نے ایک اہم اور بلند رتبہ عطا کیا ہے اس کا سب سے اہم رتبہ اس کی تخلیقی قوت کی وجہ سے ہے۔ جو عورتیں اپنی نسوانی اور انسانی اقدار کو نظر انداز کر دیتی ہیں انہیں عورت کہنا دراصل عورت کی توہین ہے۔ یہ بات بھی خاص اہمیت رکھتی ہے کہ عورت کو اپنے مقام اور منصب سے گرانے میں مرد ہی دراصل زیادہ قصوروار ہے کیونکہ مرد ہی کی وجہ سے بعض عورتیں اشتہاروں کا کھلونا بنی ہوئی ہیں۔ بعض کلبوں اور ہوٹلوں میں اپنی عصمت اور عفت فروخت کرنے پر مجبور ہیں اور بعض در بدر کی ٹھوکریں کھا رہی ہیں۔ یہ سب کچھ اسلئے ہے کہ زمانے نے عورت کی برتری کا احساس ہی نہیں کیا۔ وہ عورت جو باعث تخلیق کائنات ہے اسے آج باعث تخریب معاشرہ بنا دیا گیا ہے۔ یہ مرد ہی ہے جس کی وجہ سے آج کیا مغرب میں اور کیا مشرق میں عورت ننگ کائنات بن کر رہ گئی ہے۔ اسی مرد کے اشارے پر یہ بے بس اور مظلوم مخلوق طرح طرح کی صعوبتیں برداشت کرنے پر مجبور ہے بلکہ وہ دنیا کے سامنے خود ایک تماشا بن کے رہ گئی ہے اقبال اس مظلوم مخلوق کے رتبے کی نشان دہی کرتے ہوئے ایک طرف مشرق و مغرب کو عورت کی عظمت کا احساس

دلاتے ہیں اور دوسری طرف مسلمان عورتوں سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ اے مسلمان عورت تو اپنے حقیقی منصب اور مقام کو خودی کے دائرے میں رہ کر پہچان اور حضرت فاطمہؓ کی زندگی کی پیروی میں زندگی کی شاہراہ پہ گامزن رہ تاکہ تیری آغوش میں بھی حسنؓ اور حسینؓ جیسے فرزند پرورش پا سکیں اور تو قوم کے لئے باعث فخر ہستی ثابت ہو سکے۔

میں نے اس کتاب میں علامہ اقبال کے اشعار و افکار کی روشنی میں عورت کی عظمت کو واضح کیا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اقبال نے مسلمان عورت کو جو تعلیم دی ہے۔ اسے تفصیل کے ساتھ قوم کی ماؤں بہنوں اور بیٹیوں کے سامنے پیش کرنے کی کوشش کی ہے تاکہ وہ اقبال کی تعلیمات کو مشعل راہ بنا سکیں جس میں اسلام کی صحیح روح پنہاں ہے۔

ڈاکٹر نسرین اختر

۹ دسمبر ۱۹۷۸ء

باب ۱

اسلام میں عورت کا مقام

حقوقِ نسواں اسلام کی سپاسنامہ

علامہ اقبال کی جوابی تقریر

انجمن خواتین اسلام کا اقبال کی خدمت میں سپاسنامہ

علامہ اقبال دسمبر ۱۹۲۸ء کے آخری ایام میں مدراس میں مسلم ایسوسی ایشن کے بانی سیٹھ محمد جمال کی دعوت پر مدراس گئے جہاں انھوں نے ۷ جنوری ۱۹۲۹ء کو ٹاکرس گارڈن میں انجمن خواتین اسلام مدراس کی جانب سے دیئے گئے ایک استقبالیہ میں شرکت کی۔ اس دعوت میں انجمن خواتین اسلام مدراس نے علامہ اقبال کی خدمت میں مندرجہ ذیل سپاسنامہ پیش کیا۔

"بخدمت جناب علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبال مدظلہ،

جناب عالی!

ہم اراکین انجمن خواتین اسلام، مدراس، اپنی طرف سے اور اپنی بہنوں کی طرف سے آپ کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتی ہیں کہ آپ نے ازراہ عنایت اپنے مختصر قیام مدراس میں بے انتہا مصروفیت اور عدیم الفرصت کے باوجود ہم صنف نازک کا سپاسنامہ لینا قبول فرمایا اور ہم کو یہ بیش بہا موقع عطا فرمایا کہ آپ کی زبان مبارک سے طبقۂ نسواں کے متعلق آپ کے بیش بہا خیالات کو سنیں اور مستفید ہوں۔ ہماری عین خوش نصیبی ہے کہ ہمارے مکرم مولانا ابوالکلام آزاد اور ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب کی اہم تقاریر کے بعد آپ کی تقریر سننے کا یہ بے نظیر موقع ہم کو حاصل ہوا آج کی تقریب کی کامیابی کا سہرا ہمارے محترم بھائی عبدالحمید حسن سیٹھ کے لئے ہے کہ انھوں نے ہماری درخواست کو آپ کی خدمت میں پیش فرمایا اور جناب والا نے شرف قبولیت بخشی۔

جناب عالی!

آپ کی زبردست ہستی عالم اسلام کیلئے مایۂ ناز ہے نہ صرف اس لئے کہ آپ ایک بے مثل شاعر مشرق ہیں بلکہ آپ کا علم و فضل نیز ذی طبع

اور جدت طرازی سب غیر معمولی واقع ہوئی ہیں۔ آپ نے اپنے کلام میں نیا اور انوکھا رنگ پیدا کیا۔ آپ کا قومی ترانہ ہماری ہر جد و جہد کا بانگ درا ہے آپ نے جزیرۂ سسلی کی اسلامی تہذیب اور یادِ رفتگاں پر خون کے آنسو بہائے ہیں آپ کی نظموں نے سارے ہندوستان میں اِس سرے سے اُس سرے تک آگ لگا دی ہے اور عالم اسلام کے مفلوج دلوں میں بجلی کی لہریں از سرِ نو دوڑا دی ہیں جو لوگ مولانا حالی کی مسدس سے خصوصاً اور ان کے اردو کلام سے عموماً اپنی خواب خرگوش سے کچھ کچھ بیدار ہوئے تھے ان کو آپ کے پرجوش اور سریلے نغموں نے نہ صرف ان کو مست و سرشار بلکہ اس حالت میں بھی ہوشیار بنایا اور ان کے دلوں میں ایک نیا ولولہ پیدا کر دیا ان میں صحیح بیداری پیدا کر دی اور ان کو خود احساس ہونے لگا، وہ کون تھے، کیا تھے اور اب کیا ہیں اور کس قعرِ مذلت میں گرے ہوئے ہیں مسلمانوں کی کون سی سیاسی علمی اور قومی تحریک ایسی ہے کہ آپ کی نظمیں اور شعر و سخن ہم کو متاثر کئے بغیر نہیں رہ سکتیں۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ نے اپنی طبیعت کے جوہر چمکا دیئے ہیں آپ اس دورِ جدید کے مسلم الثبوت شاعر مانے جاتے ہیں۔ پروردگار عالم نے آپ کے دل کو معلوم یہ ہوتا ہے عجیب طرح کا بنایا ہے کہ آپ کے قلب پر ایک چھوٹا سا غیر معمولی واقعہ یا سانحہ ایک عجیب دور طاری کر دیتا ہے اور دلی جذبات نہ صرف ابل پڑتے ہیں بلکہ انڈلے آتے ہیں کبھی حب الوطنی کے نشہ میں سرشار ہو کر ؎

"سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا"

کہہ دیا کبھی عالمگیر اخوت اسلامی کے جوش میں آ کر ؎

"مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا"

کا نعرہ لگا دیا اور جب ملکی بھائیوں نے اعتراض کیا تو ان کی طرف خندہ پیشانی سے اس طرح مخاطب ہوتے ہیں ؎

مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بیر رکھنا ہندی ہیں ہم وطن ہے ہندوستاں ہمارا

کوئی اسلامی گھر ایسا نہیں ہے جہاں آپ کے ان اشعار کو پڑھ کر ایک

مفلوج دل میں بھی گرم جذبات نہ پیدا ہوں۔

ہم جمیع اراکین انجمن خواتین اسلام آپ کے ورودِ مسعود کی خوشی میں شکریہ ادا کرتی ہیں اور دعا کرتی ہیں کہ خدا پاک آپ کو طویل زندگی عطا فرمائے آمین یارب العالمین۔ ہم اخیر میں آپ کی خدمت بابرکت میں بصد عجز و انکسار عرض گذار ہیں کہ چونکہ آپ کی زبردست ہستی ہماری قوم کے لئے مایۂ ناز ہے اور چونکہ آپ کے اشعار انسانی دلی جذبات کو ابھارتے ہیں اور چونکہ خود عالم اسلام آپ کی ہستی پر فخر کرتی ہے آپ سے یہ عاجزانہ التماس کرنا غیر موزوں اور نامناسب نہ ہوگا کہ آپ ہم اسیران قفس کیلئے بھی اپنے قیمتی اوقات سے کچھ تھوڑا سا وقت وقف فرمائیں اور طبقۂ نسوانِ اسلام کی شرعی آزادی کیلئے نغمہ سنجی فرمائیں۔ ہم اسیران قفس کی حالت ناگفتہ بہ ہے اس کے انسداد کیلئے کوئی ایک پرجوش نظم لکھ کر سوتے ہوئے جذبات کو بھڑکایئے مولانا حالی کے ہم مرہون منت ہیں کہ انیسویں صدی کے ابتدائی سالوں میں ان کے کلام نے طبقۂ نسواں کا رتبہ بلند کر دیا ان کی چپ کی داد نے ہماری عزت بڑھا دی ان کے اشعار نے اسلامی گھروں میں آزادئ نسواں کی جھلک بتا دی لیکن اب بھی بہت سے ایسے گھرانے موجود ہیں جہاں آزادی کا نام نہیں ہے حالانکہ دنیا میں مرد عورت کے توقعات ایک دوسرے سے یکساں ہوتے ہیں اور اسلام نے مساوات کی تعلیم دی ہے ہم بہت رنج سے دیکھتی ہیں کہ مردوں کی جانب سے عورتوں کے حقوق کے متعلق سخت بے پروائی برتی جاتی ہے ہم آپ سے درخواست کرتی ہیں کہ آپ اس کی اصل وجوہ پر مفصل روشنی ڈالیں۔

ہم یہ کہنا نہیں چاہتے کہ ہمارے بھائی جو ہماری ہی ماں سے پیدا ہوتے ہیں سخت ظالم و سفاک ہوتے ہیں ہرگز ہرگز نہیں! لیکن ہم کو اس بات کا رنج ہے کہ فرقۂ اناث کے ساتھ بے انصافی کرنے اور ان کی حق تلفی کرنے کی بنیاد خود والدین کے گھروں میں ہی ڈالی جاتی ہے۔ ماں باپ دونوں فریق میں افراط و تفریط و فرق کو ہمارے

ساتھ ساتھ پرورش کرتے ہیں لڑکی کو لڑکے کے مقابلے میں کھانے پینے کے علاوہ تقسیم املاک میں بھی اس کو محروم کر دیتے ہیں لڑکی اگر بدقسمتی سے بیوہ ہو جاتی ہے تو ظالم ماں باپ اپنی خاندانی عزت و عظمت بچانے کیلئے اس کی شادی نہیں کرتے ان کو بھائیوں اور چچاؤں کا دست نگر بنا کر تباہ کر دیتے ہیں۔ اب عصر جدید میں ہر جگہ طبقۂ نسواں کی آزادی کی چیخ و پکار ہے نئی تعلیم و روشنی کا فطرتی نتیجہ یہ ہے کہ اسلامی طبقۂ نسواں میں انکے شرعی اور جائز آزادی اور مساوات ان کو حاصل ہوں۔ اسلام کی سچی اور زندہ روح اسلامی مستورات میں ہی ہے اور اسلامی صنف نازک نے زندہ آگ میں جل جل کر بھسم ہو کر اپنے ایثار کا ثبوت دیا ہے۔

خاتمہ پر آپ کی تضیع اوقات کی معافی چاہتے ہیں اور امید قوی رکھتے ہیں کہ آپ زمانۂ قریب میں طبقۂ نسواں کی بہبودی و آزادی کی ترانہ سنجی فرمائیں گے اور فرقۂ اناث اس کار خیر کی ہمیشہ ممنون و شکر گزار رہے گی۔

ہم ہیں آپکی عقیدت مند اور نیاز مند

خواتین اسلام ۔ مدراس

مدراس

۷ جنوری ۱۹۲۹ء

علامہ اقبال نے اس سپاسنامے کے جواب میں یہ تقریر کی۔

"میں آپکے ایڈریس کا کس زبان سے شکریہ ادا کروں۔ ایمان کی بات تو یہ ہے کہ اگر میری تحریروں نے خواتین کے دلوں میں اسلامی روایات کا احترام پیدا کیا ہے تو رب کعبہ کی قسم! میں سمجھتا ہوں کہ میں اپنی مراد کو پہنچ گیا۔ میرا یہ عقیدہ رہا ہے کہ کسی قوم کی بہترین روایات کا تحفظ بہت حد تک اس قوم کی عورتیں ہی کر سکتی ہیں۔ اس کے علاوہ اور بھی وجوہ ہیں جن کی بنا پر میں آپکے ایڈریس کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہوں۔ اگرچہ انحطاط کے دور میں عورت کے حقوق سے بے پرواہی ہوئی، مسلمان مردوں نے مسلمان عورتوں سے تغافل برتا لیکن عورت باوجود اس تغافل کے اپنا منصب پورا کرتی رہی کوئی ایسا شخص نہ ہوگا جو اپنی ماں کی تربیت کے اثرات اپنی طبیعت میں نہ پاتا ہو۔ بہنوں کی محبت اس کے دل پر اپنا نشان نہ چھوڑتی ہو۔ وہ خوش نصیب شوہر جن کو نیک بیویاں ملی ہیں خوب جانتے ہیں کہ عورت کی ذات مرد کی زندگی کے ارتقا میں کس حد تک اس کی ممد و معاون ہے۔

مجھے یہ بتلانے کی ضرورت نہیں کہ اسلام میں مرد و زن میں قطعی مساوات ہے۔ میں نے قرآن پاک کی آیات سے یہی سمجھا ہے بعض علماء مرد کی فوقیت کے قائل ہیں جس آیت سے تمسک کیا جاتا ہے وہ مشہور ہے "اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَاءِ" عربی محاورے کی رو سے اس کی یہ تفسیر صحیح معلوم نہیں ہوتی کہ مرد کو عورت پر فوقیت حاصل ہے۔ عربی گرائمر کی رو سے قائم کا صلہ جب علیٰ پر آئے تو معانی محافظ کے ہو جاتے ہیں۔ ایک دوسری جگہ قرآن حکیم نے فرمایا ھن لباس لکم و انتم لباس لھن، لباس بھی محافظت کے لئے ہوتا ہے۔ مرد عورت کا محافظ ہے دیگر کئی لحاظ سے بھی مرد و عورت میں کسی قسم کا فرق نہیں۔

قرون اولیٰ میں عورتیں مردوں کے دوش بدوش جہاد میں شریک ہوتی تھیں حضرت عائشہ پردہ میں بیٹھ کر لوگوں کو درس دیتی رہیں۔ خلفائے عباسیہ کے عہد میں ایک موقع پر خلیفہ کی بہن قاضی القضاۃ کے عہدے پر مامور تھیں

اور خود فتویٰ صادر کرتی تھیں اب یہ مطالبہ ہے کہ عورت کو ووٹ کا حق ملنا چاہیئے۔ خلافت اسلامیہ میں خلیفہ کے انتخاب میں ہر شخص کو رائے دینے کا حق حاصل تھا نہ صرف مرد بلکہ عورتیں بھی خلیفہ کے انتخاب میں اپنی آواز رکھتی تھیں اسلام تمام معاملات میں اعتدال کو مدنظر رکھتا ہے امۃ وسطاً لتکونوا شھداء علی الناس، اس کا مطلب یہی ہے کہ تمام افراط و تفریط سے پرہیز کیا جائے۔

تمام مسائل کے حل کرنے میں علماء نے اعتدال کے طریق کو بطور اصل الاصول ملحوظ رکھا۔ انسانوں کی زندگی مدنی ہے یعنی انسان مل کر زندگی بسر کرتے ہیں اس لئے انسانوں کی مختلف جماعتوں سے مختلف فرائض متعلق ہیں۔ ایک سلسلۂ فرائض انسانی زندگی میں مردوں کا ہے اور ایک عورتوں کا۔ یہ فرائض بعض تو خدائی احکام کی رو سے ہیں اور بعض خود وضع کردہ ہیں۔ بعض فطری طور پر ہیں۔ عورت کے بحیثیت عورت اور مرد کے بحیثیت مرد بعض خاص علیحدہ فرائض ہیں ان فرائض میں اختلاف ہے مگر اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ عورت ادنیٰ ہے اور مرد اعلیٰ۔ فرائض کا اختلاف اور وجوہ پر مبنی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جہاں تک مساوات کا تعلق ہے اسلام کے اندر مرد و زن میں کوئی فرق نہیں۔ تمدنی ضروریات کی وجہ سے فرائض میں اختلاف ہے مدنی زندگی کیلئے جو احکام ہونگے وہ فرائض کو مدنظر رکھ کر ہونگے

"اگر آپ ان حقوق پر نظر ڈالیں گے جو اسلام نے عورتوں کو دیئے ہیں تو آپ پر واضح ہو جائے گا۔ کہ اس مذہب نے عورتوں کو کسی طرح مرد سے ادنیٰ درجہ پر نہیں رکھا۔ سب سے پہلے یہ دیکھتے ہیں کہ ماں بچوں کی وراثت کا حق رکھتی ہے سب سے اول اسلام ہی نے اس امر کا اعلان کیا کہ عورت اپنی علیحدہ جائیداد کا حق رکھتی ہے یورپ کے کئی ملکوں میں اب تک آپ کی بہنوں کو علیحدہ جائیداد کا حق حاصل نہیں۔ غالباً ۱۸۷۵ء تک انگلستان میں عورت جائیداد کی مالک نہ تھی اس کی جائیداد نکاح کے وقت خاوند کی جائیداد میں جذب ہو جاتی تھی ۱۸۸۲ء میں کوئی انگریز اپنی مرحوم بیوی کی بہن سے شادی نہیں کر سکتا تھا اسلام میں اس قسم کی شادی کی اجازت

جسم اور روح کا ملاپ عورت کے سوز کے اثر سے محروم رہے تو اس سے کوئی بھی نتیجہ برآمد نہیں ہوتا ہماری تمام نیک بختیاں اور سعادتیں اسی عورت ہی کی رہین منت ہیں ہمارے تمام نقوش کا ظہور اسی کی ذات سے ہے۔ علامہ اقبال عورت کی اس اہمیت کا احساس دلانے کے بعد فرماتے ہیں کہ۔

"اے مرد اگر خدا نے تمہیں تاب نظر عطا کی ہے تو تمہیں چاہیئے کہ عورتوں کی قدسیت اور پاکیزگی اور احترام کو ملحوظ خاطر رکھو۔

عورت بقائے نوع انسان ہے

کہا جاتا ہے کہ ایک بار اقبال کے سامنے کسی نے ذکر چھیڑ دیا کہ "مسجد کے اندر بلی نے بچے دے دیئے تو ایک صحابی نے کسی قدر ناراضگی سے انہیں باہر پھینکنے کی کوشش کی آنحضر صلعم کی نظر پڑ گئی تو سخت کبیدہ خاطر ہوئے" اقبال پر یہ واقعہ سنتے ہی رقت طاری ہو گئی فرمایا کہ "وہ رسول کریم کے اسوۂ حسنہ میں سب سے زیادہ اہمیت مادرانہ شفقت (MOTHER HOOD) کو دی گئی ہے کہ یہی بنی نوع انسان کی بقا کا مقدس ذریعہ ہے۔"

قوم کی تعمیر اور کردار

اقبال کے نزدیک وہ قوم لائق صد مبارک باد ہے جس قوم کی جد و جہد سے اس دنیا میں زندگی کے ہنگامے پیدا ہو سکیں۔ مگر یہ بات اس قوم کی عورتوں کی پاک سیرت اور بلند کرداری پر منحصر ہے۔ اگر یہ دیکھنا ہو کہ کسی قوم نے ماضی میں کس قدر شاندار کامیابیاں حاصل کی ہیں اور آئندہ وہ کس قدر کامیابیاں حاصل کرے گی اس سوال کا جواب اگر پوچھنا ہو تو اس قوم کی عورتوں کی پیشانی سے پوچھو یعنی جس قوم کی عورتیں بلند کردار اور حسن سیرت کی مالک ہوں وہی قوم در اصل دنیا میں کامران و کامیاب ہوتی ہے۔ اقبال فرماتے ہیں ؎

خنک آں ملتے کز وارداتش !!! — قیامت ہا بہ بیند کائناتش

چہ پیش آید، چہ پیش افتاد او را — تواں دید از جبین امہاتش !

اقبال کے نزدیک دنیا کی بقا اور دنیا کی زیب و زینت اور استواری کا دارو مدار

اردو زنگار فقیر جلد اول صفحہ ۱۹۱

عورتوں پر ہے۔ کسی قوم کی آئندہ نسلوں کی زندگی درحقیقت عورتوں کی بہترین سیرت پر منحصر ہے اگر عورتیں بلند سیرت اور بلند کردار ہوں گی تو آنے والی نسلوں کو وہ بہترین تربیت دیکر بہترین افراد پر مشتمل قوموں کی تعمیر کر سکتی ہیں۔ اقبال ارمغان حجاز میں فرماتے ہیں۔ ؎

جہاں را محکمی از امہات است — نہاد شاں امین ممکنات است
اگر این نکتہ را قومے نداند — نظام کاروبارش بے ثبات است

یعنی دنیا کی بقا اور مضبوطی صرف ماؤں کی وجہ سے ہے جو دنیا کو بہترین افراد مہیا کرتی ہیں۔ یہی مائیں درحقیقت نئی نسل کو جنم دے کر ان کی اعلیٰ تربیت کر کے انہیں کسی قوم کا فرد بناتی ہیں۔ جو قوم اس حقیقت کو نہ سمجھ سکے یا ماؤں کی اہمیت کی قدر اور وقعت کو نہ پہچان سکے تو اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ اس قوم کی عمرانی اور معاشرتی زندگی تباہ و برباد ہو جائے گی۔"

عورت اور تعددِ ازدواج

علامہ اقبال تعدد ازدواج کے متعلق اپنی بیاض میں فرماتے ہیں۔

"تعدد ازدواج کی رسم کا یہ مطلب ہرگز نہ تھا کہ اسے ایک رسم عام کی حیثیت دی جائے۔ بعض دشواریوں کے حل کے طور پر اسے جائز قرار دیا گیا تھا لیکن وہ دشواریاں صرف مسلم معاشرے کیلئے مخصوص نہیں۔ اسلام نے جن چیزوں کو جائز قرار دیا ہے ان میں سے مکروہ ترین شے طلاق ہے تعدد ازدواج کو کچھ اس لئے بھی گوارا کیا گیا کہ طلاق ایک عام معاشرتی رسم نہ بن جائے۔ طلاق اور تعدد ازدواج دو معاشرتی خرابیاں ہیں (اس صورت میں کہ عام ہو جائیں) جن میں سے موخرالذکر یقیناً کم تر ہے۔ لیکن طلاق سے اجتناب ہی شاید اس رسم کا واحد جواز نہیں بلکہ اس میں کسی حد تک مرد کی فطرت کی رعایت بھی ملحوظ رکھی گئی ہے۔ اس قانون کی رو سے وہ اپنے فطری میلانِ تنوع کو بھی پورا کر سکتا ہے اور اس شوق و رغبت کے نتیجے میں جو ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں ان سے بھی روگردانی نہیں کر سکتا

انگلستان میں اس ذوق تنوع کی تکمیل کے مواقع تو بعض لوگوں کو میسّر ہیں۔ لیکن جنسی آزادی کے نتیجے میں جو ذمہ داری کسی فرد پہ عائد ہو سکتی ہے اس سے وہ قانوناً بچ نکلتا ہے ناجائز تعلق سے جو اولاد پیدا ہو اس کی تعلیم و تربیت سے وہ بری الذمہ ہوتا ہے ایسی اولاد اپنے باپ کی جائیداد کی وارث بھی نہیں ہو سکتی۔ ان قانونی کوتاہیوں کے نتائج بعض اوقات نہایت ہولناک ہوتے ہیں۔ حکومت فرانس نے مجبوراً عصمت فروشی کو ایک معاشرتی رواج کے طور پر تسلیم کیا ہے جسے صحت مند رکھنا حکومت کا ایک قبیح فرض ہے۔ لیکن یک زوجگی کا قبیح ترین پہلو، بیشتر مغربی ممالک میں اُن "فاضل" عورتوں کی کثرت ہے جنہیں شوہر میسّر نہیں آتے اور وہاں مختلف معاشرتی و سیاسی عوامل ایسی عورتوں کی تعداد میں اضافے کا باعث ہیں وہ مائیں نہیں بن سکتیں اور نتیجۃً پرورش اطفال کے بجائے انہیں دیگر مشاغل تلاش کرنے پڑتے ہیں وہ مجبور ہیں کہ اولاد کے عوض تصورات کو جنم دیں۔ حال ہی میں انہوں نے ووٹ برائے خواتین" کے ولولہ انگیز تصور کو جنم دیا ہے۔ دراصل یہ "فاضل" خواتین کی ایک کوشش ہے یا یوں کہہ لیجئے کہ ان کی جانب سے ایک کوشش ہے کہ سیاست کے میدان میں ان کے لئے دلچسپیاں پیدا کی جائیں۔ اگر کوئی معاشرہ اپنی عورتوں کو پیدائش و پرورش اولاد کا موقع نہیں دیتا تو ان کی مصروفیت کے لئے کچھ اور سامان مہیا ہونا چاہیئے۔ یورپ میں حق انتخاب نسواں کی تحریک درپردہ ووٹوں کے بجائے شوہروں کی طلب پر مبنی ہے۔ میرے نزدیک تو یہ شور و شغب بے روزگاروں کے ہنگامے سے کچھ زیادہ مختلف نہیں۔"[1]

شادی بیاہ کی قبیح رسمیں

شادی بیاہ میں جو قبیح رسمیں جاری ہیں ان رسموں کی طرف قوم کو متوجہ کرتے

1- شذرات فکر اقبال ص ۱۱۲ تا ۱۱۳

ہوئے فرماتے ہیں۔

"شادی کی بعض قبیح رسوم قوم کی توجہ کی محتاج ہیں۔ نارضامندی کی شادیاں مسلمانوں میں عام ہو رہی ہیں جن کی وجہ سے ۹۹ فی صدی اسلامی گھروں میں اس بات کا رونا رہتا ہے کہ میاں بیوی کی آپس میں نہیں بنتی۔ منگنی کا دستور نہایت مفید ہو سکتا ہے بشرطیکہ شادی سے پہلے میاں بیوی کو اپنے بزرگوں کے سامنے ملنے کا موقع دیا جائے تاکہ وہ ایک دوسرے کی عادات اور مزاج کا مطالعہ کر سکیں اور اگر ان کے مذاق قدرتاً مختلف واقع ہوئے ہیں تو منگنی کا معاہدہ فریقین کی خواہش سے ٹوٹ سکے۔ لیکن افسوس ہے کہ موجودہ دستور کے مطابق "فانکحوا ماطاب لکم من النساء" پر پورا عمل نہیں ہو سکتا۔ لڑکا خواہ منگنی سے پہلے اپنی سسرال کے گھر میں جاتا ہی ہو منگنی کے بعد تو اس کو اس گھر سے ایسی پرہیز کرنی ہوتی ہے جیسے ایک متقی کو مینخانے سے۔ افغانوں میں منگنی کے بعد میاں بیوی کو آپس میں ملنے کی عام اجازت ہوتی ہے لیکن یہ مغلیہ دستور اسلامی نہیں ہے بلکہ اسرائیلی ہے اور پٹھانوں کے اسرائیل الاصل ہونے پر دلالت کرتا ہے اس میں کچھ شک نہیں کہ اس دستور میں بہت سی قباحتیں ہیں منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ منگنی کے بعد سے شادی کے زمانے تک بعض مسلمان ذاتوں میں بہت سا روپیہ فضول خرچ ہوتا ہے علاوہ اس کے روز کی خانہ جنگیاں اور شکوے شکایت ہوا کرتے ہیں جن سے جانبین میں ابتدا ہی سے بدمزگی پیدا ہو جاتی ہے اور ان کے نتائج سے میاں بیوی کی آئندہ زندگی بسا اوقات نہایت تلخ ہو جاتی ہے تاہم اگر اس کی اصلاح کر دی جائے تو میں سمجھتا ہوں کہ یہ دستور مفید ہو سکتا ہے کیوں کہ اس میں مغربی دستور "کورٹ شپ" کی تمام خوبیاں موجود ہیں اور اس کے نقائص معدوم ہیں۔"[1]

۱۔ رسالہ مخزن لاہور اکتوبر ۱۹۰۴ ماخوذ از مضمون قومی زندگی از اقبال

عورتوں کی صغر سنی کی شادی

۱۹۲۹ء میں اسمبلی نے شاردا بل پاس کیا اس بل کا مقصد یہ تھا کہ چھوٹی عمر میں لڑکیوں کی شادی پر پابندی لگادی جائے۔ کیونکہ چھوٹی عمر میں شادی کی وجہ سے ایک تو لڑکیوں کی صحت خراب ہو جاتی ہے اور دوسرے یہ کہ لڑکیاں ابھی لڑکیاں ہی ہوتی ہیں کہ وہ مائیں بن جاتی ہیں جس کی وجہ سے وہ بچوں کی صحیح تربیت بھی نہیں کر سکتیں اس بل کے متعلق علامہ اقبال کی رائے معلوم کرنے کے لئے ۲۹ ستمبر ۱۹۲۹ء کو لاہور نیوز ایجنسی کے نمائندے نے علامہ اقبال کے مکان پر ان سے ملاقات کی۔ نیوز ایجنسی کے نمائندے نے علامہ سے پوچھا۔

آپ اس بل کے متعلق اظہار رائے فرمائیں؟

علامہ: اب شاردا بل ایکٹ بن چکا ہے اس پر رائے دینے کی کیا ضرورت ہے۔"

نمائندہ: "لیکن ابھی وائسرائے نے منظوری نہیں دی.... کون کہہ سکتا ہے کہ نافذ ہوگا یا نہیں۔"

علامہ: "اگر مسلمان ایجی ٹیشن کریں گے تو بل کے مسترد ہو جانے کا امکان ہے۔"

نمائندہ: "اس کے متعلق آپ کی ذاتی رائے کیا ہے"؟

علامہ: "میں نے ابھی تک بل کی پاس شدہ دفعات کا مطالعہ نہیں کیا اس لئے میں رائے دینے سے قاصر ہوں۔"

نمائندہ: "لیکن بحیثیت مجموعی جو بل بذریعہ اخبارات آپ تک پہنچ چکا ہے، میں اس کے متعلق اظہار رائے کی درخواست کرتا ہوں۔"

علامہ: "اس بل کا مقصد وحید یہ ہے کہ عوام اپنی لڑکیوں کی شادی صغر سنی ہی میں کر دیتے ہیں لہٰذا لڑکیاں ابھی لڑکیاں ہی ہوتی ہیں کہ مائیں بن جاتی ہیں اس طرح جو اولاد پیدا ہوتی ہے وہ کمزور اور منحنی ہوتی ہے۔"

نمائندہ: "آپ کے خیال میں مسلمانوں میں بھی صغر سنی کی شادیوں کا رواج ہے"؟

علامہ: "بنگال کے مسلمانوں میں ہے باقی ہندوستان کے مسلمان عموماً شریعت اسلامی کے پابند ہیں۔ اسلام والدین کو صغر سنی کی شادی کی اجازت دیتا ہے لیکن نابالغ لڑکیوں

کی مائیں بن جانے کی برائی کو روکنے کیلئے حکم دیا ہے کہ شادی کے بعد لڑکی جب تک بالغ نہ ہو جائے خاوند کے گھر نہ بھیجی جائے چنانچہ بنگال کے علاوہ ہندوستان کے جملہ دیہات میں مسلمان اپنی بچیوں کی شادیاں چھوٹی عمر میں کر دیتے ہیں لیکن اسے خاوند کے گھر نہیں بھیجتے جب تک وہ بالغ نہ ہو جائے۔"

نمائندہ = "آپ کے خیال میں شاردا بل نافذ ہونا چاہیئے یا نہیں؟"

علامہ = "میرے خیال میں حکیم نے مرض تو شناخت کر لیا ہے مگر نسخہ تجویز کرنے میں غلطی کی ہے۔ ہندوستان کی مالی حالت بہت کمزور ہے اس لئے غریب آدمی جب اس کے پاس روپیہ ہو تو فوراً شادی کر دیتا ہے یا جب بڑی لڑکی کی شادی کرتا ہے تو مالی سہولتوں کے لئے چھوٹی لڑکی کی شادی بھی ساتھ ہی کر دیتا ہے یا مثلاً ایک نو سال کی لڑکی ہے جس کے والدین بہت بوڑھے ہیں اور چونکہ ہندوستان میں لڑکی کی شادی کو ایک اہم فریضہ سمجھا جاتا ہے اس لئے وہ بوڑھے والدین چاہتے ہیں کہ اپنی زندگی ہی میں لڑکی کی شادی خود ہی کر جائیں موت کے بعد اس کا کون پرسان حال ہوگا۔ اس وقت یہ قانون ایک افسوس ناک رکاوٹ ثابت ہوگا۔"

نمائندہ = "آپ کے خیال میں اگر یہ قانون منظور ہو جائے تو مسلمانوں پر اس کا نفاذ ہونا چاہیئے یا نہیں؟"

علامہ = "جب ہندوستان کے دیوانی اختیارات برطانوی حکومت کو تفویض کئے گئے تھے تو حکومت برطانیہ نے وعدہ کیا تھا کہ مسلمانوں کی شریعت اور خانگی قوانین میں مداخلت نہیں کی جائے گی اس لئے اپنے معاہدے کے مطابق بھی حکومت ہند کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ اس قانون کا نفاذ مسلمانوں پر بھی کرے دوسرے اس قانون کے بعد مذہب کوئی چیز نہیں رہے گا۔ جب اور جس طرح حکومت چاہے گی مذہب کو قانون کے ذریعے سے توڑ مروڑ لے گی اگر بالفرض محال اس قسم کا کوئی قانون بنانا ضروری اور لازمی تھا تو شادی کے متعلق والدین کے وہ اختیارات جو اسلام نے عوام کو دے رکھے ہیں ہرگز نہیں چھیننے چاہئیں تھے بلکہ یہ قانون بنایا جاتا کہ شادی کے بعد جو والدین اپنی نابالغ بیٹی کو خاوند کے گھر بھیجیں گے وہ مستوجب سزا ہوں گے۔ لیکن اس کے متعلق میں اپنی مفصل رائے اس وقت بتا سکوں گا

جب متذکرہ ایکٹ کا مطالعہ کرلوں۔"

نمائندہ = "اگر مسلمانان لاہور نے شاردا بل/ ایکٹ کے خلاف کوئی جلسہ کیا تو کیا آپ اس میں شرکت فرمائیں گے؟"

علامہ = "میں چونکہ سیالکوٹ گیا ہوا تھا اس لئے مجھے معلوم نہیں کہ لاہور کے مسلمان ایسا کوئی جلسہ کرنا چاہتے ہیں اور اگر ایسا جلسہ ہوا تو میں ضرور شرکت کروں گا۔"[1]

۱۔ روزنامہ انقلاب لاہور ۱۹ فروری ۱۹۲۹ء

باب ۳

اقبال اور پردہ

- پردہ، آزادیٔ نسواں، عورت اور محفل
- پردے کی قدرتی اہمیّت
- شمع محفل ، سرراس مسعود کو مشورہ
- عورت ایک حسن مستور ہے
- عورت کا صحیح محافظ
- تعلیمات اقبال کے خلاف پروپیگنڈا
- اقبال اور مشرقی عورت
- مادہ پرستی کا دور
- عورت اور حیا

سفر مدراس میں چند خواتین نے علامہ موصوف سے سوال کیا کہ پردے کی تنسیخ کے متعلق ان کے احساسات کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا "میں اس معاملے کے متعلق تحقیقی طور پر کچھ نہیں کہہ سکتا کیونکہ میں نے فقہ اسلامی کے اس مسئلے کی تفتیش نہیں" آپ نے کہا "مجھے قانون قدرت ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ زندگی کے ذرائع کو پوشیدہ رکھنے کا عادی ہے"

"ملت بیضا پر ایک عمرانی نظر" کے مقالے میں فرماتے ہیں۔

"کسی اسلامی محلے میں جا نکلو ایک تنگ و تاریک کوچے پر تمہاری نظر پڑیگی جس کے وحشت انگیز سکوت کے طلسم کو رہ کر یا تو لاغر و نیم برہنہ بچوں کی چیخ و پکار یا کسی پردہ نشین بڑھیا کی لجاجت آمیز صدا توڑتی ہو گی جس کی سوکھی اور مرجھائی ہوئی انگلیاں برقع میں سے نکل کر خیرات کیلئے پھیلی ہوئی ہوں گی یہ تو گلی کی حالت تھی۔ الم زدہ گھروں کے اندر جا کر دیکھو تو سینکڑوں مرد اور عورتیں ایسی پاؤ گے جنہوں نے کبھی اچھے دن دیکھے تھے لیکن آج فاقہ کر رہے ہیں۔ کئی دن تک اناج کا ایک دانہ تک ان کے منہ میں اڑ کر بھی نہیں پہنچا لیکن غیرت اور خودداری اجازت نہیں دیتی کہ خیرات کے لئے کسی کے آگے ہاتھ پھیلائیں۔ ہمارے نوجوان جو تمدن کے مصلح بنے ہوتے ہیں وہ پردے کی رسم کو ہماری قوم کے قویٰ کے روز افزوں انحطاط کا باعث قرار دینے کے عادی ہیں شاید یہ نہیں جانتے کہ اس انحطاط کا اصل ذمہ دار پردہ نہیں بلکہ یہ جان فرسا افلاس ہے جو ہماری قوم کے ادنیٰ اور اعلیٰ کو کھائے جا رہا ہے"[1]

اقبال چاہتے ہیں کہ مسلمانوں میں قرون اولیٰ کا مثالی معاشرہ ہو جس میں مسلمان اسلام کے ضابطہ اخلاق کے تحت صحیح مسلمان تھے ان کے دلوں کو نور اسلام کی شعاعوں نے منور اور صاف و پاکیزہ بنا دیا تھا۔ ان کے ارادے نیک تھے ان کی زندگیاں خواہشات نفسانی کے تابع نہیں تھیں انہوں نے اپنے آپ کو اسلامی سانچے میں

۱۔ ملت بیضا پر ایک عمرانی نظر از اقبال

ڈھالا ہوا تھا ان کا اٹھنا بیٹھنا دیکھنا۔ سننا غرضیکہ ہر فعل خدا کے حکم کے تابع تھا یہی وجہ تھی کہ اس دور میں مسلمان عورتوں کو اس طرح پردے میں لپیٹ کر نہیں رکھا گیا تھا جیسا کہ آج کل پردے کا رواج ہے۔ اقبال چاہتے ہیں کہ مسلمان کا دل اسلام کے اس سانچے میں ڈھل جائے جیسا کہ طواف کعبہ کے وقت عورت اور مرد اکٹھے طواف کرتے ہیں رسوم حج ادا کرتے ہیں مگر انہیں اپنے دلوں پر اپنے ارادوں پر اپنی خواہشات پر مکمل کنٹرول ہوتا ہے۔ آپ مسلمانوں کی اسی اخلاقی بلندی کے متمنی ہیں تاکہ اس اخلاقی بلندی کی موجودگی میں مسلمان عورتیں بھی بلا خوف و خطر زندگی بسر کر سکیں۔ اپنے ایک مضمون "قومی زندگی" میں پردے کے متعلق فرماتے ہیں۔

"عورتوں کے حقوق کے ضمن میں پردے کا سوال بھی غور طلب ہے کیونکہ کچھ عرصے سے اس پر بڑی بحث ہو رہی ہے بعض مسلمان جو مغربی تہذیب سے بہت متاثر ہو گئے ہیں اس دستور کے مخالف ہیں۔ اور وہ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ اسلام کے ابتدائی زمانے میں اور حال کے دیگر اسلامی ممالک میں پردے کی یہ صورت نہیں تھی جو آج کل ہندوستان میں ہے لیکن اگر غور کر کے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان میں پردے پر سخت زور دیا جانا اخلاقی وجوہ پر مبنی تھا چونکہ اقوام ہندوستان نے اخلاقی لحاظ سے کچھ بہت ترقی نہیں کی اس واسطے اس دستور کو یک قلم موقوف کر دینا میری رائے میں قوم کے لئے نہایت مضر ہوگا ہاں اگر قوم کی اخلاقی حالت ایسی ہو جائے جیسی کہ ابتدائے زمانہ اسلام میں تھی تو اس کے زور کو بہت کم کیا جا سکتا ہے اور قوم کی عورتوں کو آزادی سے افراد کے ساتھ تبادلہ خیالات کرنے کی عام اجازت ہو سکتی ہے۔"[1]

عورتوں کو آزادی کے ساتھ افراد کے ساتھ تبادلہ خیالات کرنے کا موقع اس وقت فراہم ہو سکتا ہے جب کہ قوم کے افراد صالح۔ نیک اور بلند اخلاق ہوں اور وہ عورت کے تقدس کا پاس کر سکیں۔ یہ اسی وقت ممکن ہے جب قوم کے افراد خالص اسلامی رنگ میں رنگے جائیں۔

"اپنے مضمون "قومی زندگی" میں فرماتے ہیں تعدد ازدواج کا دستور بھی

۱۔ قومی زندگی ص۴۷ از اقبال

اصلاح طلب ہے اس میں کچھ شک نہیں کہ اس کا جائز قرار دیا جانا ایک دقیق روحانی وجہ پر مبنی ہے اور علاوہ اس کے ابتدائے اسلام میں اقتصادی اور سیاسی لحاظ سے اس کی ضرورت بھی تھی مگر جہاں تک میں سمجھتا ہوں موجودہ مسلمانوں کو فی الحال اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ موجودہ حالت میں اس پر زور دینا قوم کے اقتصادی حالات سے غافل رہنا ہے اور امرائے قوم کے ہاتھ میں زنا ایک شرعی بہانہ دینا ہے[1]۔

آزادیٔ نسواں

اقبال آزادیٔ نسواں کے اس حد تک قائل ہیں جس حد تک اسلام عورتوں کی آزادی کی ایک محدود اجازت دیتا ہے۔ اسلام ایک فطری مذہب ہے اسلام نے اگر عورتوں کی آزادی کو ایک حد تک محدود کیا ہے تو اس میں فطری راز پوشیدہ ہیں جن کی وجہ سے اسلام نے عورتوں کی آزادی کی ایک حد مقرر کی ہے جن ممالک نے اسلامی حدود و قیود سے بڑھ کر عورتوں کو آزادی دی انھیں بالآخر یہ تسلیم کرنا پڑا کہ واقعی عورتوں کی بے راہ روی پوری قوم کی تباہی اور بربادی ہے۔ عورتوں کی بے جا آزادی سے زنا اور بدکاری کے جرائم بڑھتے ہیں معاشرہ آوارہ اور بدکار ہو جاتا ہے۔ عورتوں کے چہروں پر وہ رونق نہیں رہتی وہ حسن و جمال باقی نہیں رہتا جو خلوت میں ان کے چہروں پر ٹمٹماتا ہے۔ ان کے چہرے مرجھا جاتے ہیں چہروں پر زردی چھا جاتی ہے۔ ملاحیت سے ان کے چہرے عاری ہو جاتے ہیں۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں۔

اس بحث کا کچھ فیصلہ میں کر نہیں سکتا
گو خوب سمجھتا ہوں کہ یہ زہر ہے قند
کیا فائدہ کچھ کہہ کے بنوں اور بھی معتوب
پہلے ہی خفا مجھ سے ہیں تہذیب کے فرزند
اس راز کو عورت کی بصیرت ہی کرے فاش
مجبور ہیں معذور ہیں مردان خردمند

۱۔ قومی زندگی از اقبال ص ۴۶

کیا چیز ہے آرائش و قیمت میں زیادہ
آزادیٔ نسواں کہ زمرد کا گلو بند

یعنی میں اس بحث کا فیصلہ نہیں کر سکتا اگرچہ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ یہ قند نہیں بلکہ زہر ہے مگر میں صاف صاف کچھ کہنے کیلئے تیار نہیں کیونکہ نئی تہذیب کے دلدادہ پہلے سے ہی مجھ سے بدظن ہیں میں مزید کچھ بات کہہ کر ان کی ناراضگی کس طرح مول لوں۔ عقلمند اس معاملے میں کوئی بھی فیصلہ کرنے میں مجبور اور معذور ہیں عورت ہی اپنی بصیرت سے اس بھید کو ظاہر کر سکتی ہے کہ آرائش اور زیبائش اور قیمت میں عورتوں کی آزادی زیادہ قیمتی ہے یا زمرد کا گلو بند زیادہ قیمتی ہے۔ یعنی اگرچہ عورتوں کو زیورات اور جواہرات سے جو والہانہ محبت ہے وہ یقیناً آزادی سے بھی نہیں ہو سکتی مگر آزادی ہی عورتوں کیلئے وہ بلائے ناگہاں ہے جو عورت کی محبوب ترین متاع کو بھی اس سے چھین لیتی ہے یعنی اس آزادی سے عورت اپنے بلند مقام سے گر کر پستی میں گر جاتی ہے اس کی وہ قدر و قیمت نہیں رہتی جو خلوت میں اسے حاصل ہوتی ہے۔

بیوی اور خاوند میں جو فطری تعلقات ہیں ان تعلقات کی بنا پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہی فطرت کا بہترین منشا ہے مگر آج اصول فطرت کے برعکس مغربی تہذیب کی دلدادہ عورتیں اپنی مقدس حدود سے تجاوز کر کے اصول فطرت سے کھلی بغاوت کر رہی ہیں اس بغاوت سے قومی اخلاق۔ قومی معاشرت اور قومی اقتصادیات پہ بے شمار مصائب نازل ہو چکے ہیں۔

عورت اور محفل

عورتوں کا کسی محفل میں جانا یا کسی تقریب کی زینت بننا اقبال کے ہاں بہت ہی معیوب تھا۔ اقبال اس چیز کو عورت کیلئے اس کے وقار کے منافی خیال کرتے تھے۔ اقبال نے اس بات پر خود بھی عمل کیا اور مسلمانوں کو یہ احساس دلایا کہ وہ اپنی بیویوں کو بہنوں اور بیٹیوں کو کسی محفل کی یا کسی تقریب کی زینت نہ بنائیں۔ اس ضمن میں یہ ایک حقیقی اور عملی واقعہ ہے جو اس بات کے ثبوت کے لئے کافی ہے کہ علامہ اقبال عورتوں

کے شمع محفل بننے کے سخت خلاف تھے۔ کہا جاتا ہے کہ میاں نظام الدین رئیس اعظم لاہور جو انجمن حمایت اسلام لاہور کے تاحیات صدر رہے ہیں وہ مشہور اردو ناول نگار اور افسانہ نویس ایم اسلم کے والد تھے۔ ایک دن میاں صاحب کے گھر میں کوئی تقریب تھی میاں صاحب نے ایم اسلم سے کہا کہ جاکر علامہ سے عرض کریں کہ اگر ان کی بیگم صاحبہ بھی تقریب میں شریک ہوں تو یہ ہماری عزت افزائی ہوگی۔ میاں اسلم نے اپنے والد کا پیغام علامہ اقبال تک پہنچایا۔ علامہ یہ پیغام سن کر خاموش ہو گئے اور کچھ توقف کے بعد فرمایا۔

"میاں صاحب کی خدمت میں میرا سلام عرض کریں اور کہیں کہ میں عورتوں کا محفلوں میں مل جل کر بیٹھنا پسند نہیں کرتا یہ ہمارے لئے مفید نہیں ہے۔"[1]

پردے کی قدرتی اہمیت

اقبال اپنی تصنیف ارمغان حجاز میں پردے پر ایک عجیب نکتہ رس اور نادر تشبیہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

ضمیر عصر حاضر بے نقاب است — کشادش در نمود رنگ و آب است
جہاں تابی ز نور حق بیاموز — کہ او با صد تجلی در حجاب است

ان اشعار میں علامہ اقبال مسلمان عورت کو پردے کی قدرتی اہمیت اور نسوانی وقار کا احساس دلاتے ہوئے کہتے ہیں کہ موجودہ دور بالکل عریاں اور بے نقاب ہو چکا ہے وہ آرائش اور زیبائش اور ظاہری چمک دمک میں ہی غرق نمود ہے اے مسلمان عورت تم نے اس دنیا کو اپنے نور سے اور اپنی ضیا سے منور کرنا ہے کیونکہ تو باعث آبادی کائنات ہے لہٰذا تمہیں چاہیئے کہ تو اس دنیا کو تابناک اور چمکدار بنانے کے لئے نور حق سے وہ راز سیکھ جس راز کے ذریعے وہ سینکڑوں تجلیات رکھتے ہوئے بھی پردوں میں پوشیدہ ہے۔"

قدرت کا یہ ایک عجیب راز ہے کہ اس نے ہر قیمتی جوہر کو ہزاروں پردوں میں پوشیدہ کر رکھا ہے۔ یہی پوشیدگی دراصل اس قیمتی جوہر کی قدر و قیمت کو ظاہر کرتی ہے۔ ایسے پوشیدہ جوہروں کی تلاش میں لوگ اسی لئے مارے مارے پھرتے ہیں برعکس اس

۱۔ اوراق گم گشتہ ص ۱۳۷

کے جو چیز عام دستیاب ہو سکے۔ جسے آنکھیں وقت بے وقت دیکھ سکیں اس چیز کی قدر و قیمت لوگوں کے دلوں میں کم ہوتی ہے۔ شمع محفل بننے والی عورت اپنی وقعت خود بخود کھو دیتی ہے۔ علامہ اقبال اس مفہوم کو ذیل کے اشعار میں بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

اگر پندے ز درویشی پذیری ہزار امت بمیرد تو نہ میری
بتولے باش و پنہاں شو ازیں عصر کہ در آغوش شبیری بگیری

یعنی اے عورت اگر تو مجھ درویش کی نصیحت پر عمل کرے تو یاد رکھ کہ ہزاروں امتیں فنا ہو جائیں گی لیکن تو زندہ و تابندہ رہے گی تو کبھی بھی نہ مر سکے گی۔ میری تجھے یہ نصیحت ہے کہ تو فاطمہ بنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا نمونۂ زندگی اختیار کر۔ بنت رسولؐ کی تقلید کر اور اس دور کے اثرات سے اپنے آپ کو پوشیدہ رکھ اس زمانے کے طور طریقوں کی تقلید نہ کر تاکہ تو بھی شبیر جیسے فرزند کو اپنی آغوش کی زینت بنا سکے۔"

ضرب کلیم میں پردے کی اہمیت اور عورت کو شمع محفل نہ بننے کی ترغیب دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

بہت رنگ بدلے سپہر بریں نے خدایا یہ دنیا جہاں تھی وہیں ہے
تفاوت نہ دیکھا زن و شو میں میں نے وہ خلوت نشیں ہے یہ خلوت نشیں ہے
ابھی تک ہے پردے میں اولاد آدم کسی کی خودی آشکارا نہیں ہے

"آسمان نے کئی رنگ بدلے اس میں سینکڑوں تبدیلیاں پیدا ہوئیں مگر اس دنیا میں ذرا برابر بھی تبدیلی نہیں آئی یہ جہاں تھی وہیں کی وہیں ہے۔ یہی مثال آج کے دور میں بیوی اور شوہر کی ہے اگر بیوی پردہ نشین ہے تو خاوند بھی پردہ نشین بن چکا ہے گویا حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ابھی تک پردے میں ہے کیونکہ کسی کی خودی نمایاں نہیں ہوئی۔"

مغرب کی اندھی تقلید میں مسلمان عورتیں بھی اسلامی حدود و قیود سے آزاد ہونے کی جد و جہد کر رہی ہیں۔ پردے کو بالائے طاق رکھ کر گھر کی چار دیواری سے نکل کر سوشل ہونے کی متمنی ہیں اقبال عورتوں کی اس آزادی کی جو اُن کے وقار کو ٹھیس پہنچائے مخالفت کرتے ہیں وہ عورتوں کو اسلامی تہذیب کا ایک مکمل نمونہ بنا دیکھنا

چاہتے ہیں وہ عورتوں کو شمع محفل بننے سے روکتے ہیں اور انہیں شمع خانہ ہی رہنے کی تلقین کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

رسوا کیا اس دور کو جلوت کی ہوس نے
روشن ہے نگہ آئینہ دل ہے مکدر
بڑھ جاتا ہے جب ذوق نظر اپنی حدوں سے
ہو جاتے ہیں افکار پراگندہ و ابتر
آغوش صدف جس کے نصیبوں میں نہیں ہے
وہ قطرہ نیساں کبھی بنتا نہیں گوہر
خلوت میں خودی ہوتی ہے خود گیر و لیکن
خلوت نہیں اب دیر و حرم میں بھی میسّر

"کہتے ہیں اس زمانے میں عورتوں نے اپنے آپ کو نمایاں اور بے پردہ ہونے کی وجہ سے رسوا کر دیا ہے دیکھنے میں ان کی آنکھیں تو بیشک روشن ہیں مگر انکے دل کا آئینہ میلا ہو چکا ہے یعنی ظاہری طور پر تو یہ اپنے آپ کو سوشل کہلاتی ہیں مگر درحقیقت ان کا باطن تاریکی میں ڈوبا ہوا ہے۔

نظارے کا شوق جب اپنی حدوں سے تجاوز کر بیٹھتا ہے تو دل کے خیالات بھی پاکیزہ نہیں رہتے بلکہ وہ بھی پراگندہ اور خراب ہو جاتے ہیں۔ ابر بہار کا وہ قطرہ کبھی بھی موتی نہیں بن سکتا جس کے نصیبوں میں صدف کی گود نصیب نہ ہو یعنی جس طرح ابر بہار کا قطرہ صدف کی خلوت میں موتی بنتا ہے اسی طرح عورت اگر خلوت کی حدود میں ہی رہے تو اس کا نسوانی وقار بحال و قائم رہے گا ورنہ جلوت میں وہ اپنی تمام رعنائیاں اور وقار و قیمت کھو دے گی اور وہ اپنا بلند مقام کبھی بھی حاصل نہ کر سکے گی۔

عورت کی خودی در اصل تنہائی اور خلوت میں ہی اپنے کمال کو پہنچتی ہے اور اسی طرح وہ اپنی حقیقت کو بھی پہچان سکتی ہے اور حقیقت تک بھی پہنچ سکتی ہے مگر افسوس کہ آج کے دور میں دیر و حرم میں یعنی مسلمان اور غیر مسلم خواتین سب نے منظر عام پر آنے کے جنون میں اپنی حقیقت کو بھلا دیا ہے۔"

سر راس مسعود کو مشورہ

۱۹۳۳ء میں حکومت افغانستان نے تعلیمی نصاب کی سفارشات کے سلسلے میں سید سلیمان ندوی۔ علامہ محمد اقبال اور سر راس مسعود کو افغانستان آنے کی دعوت دی۔ سر راس مسعود کی شادی کو ہوئے ابھی تھوڑا ہی عرصہ ہوا تھا بیگم راس مسعود نے بھی اپنے شوہر کے ساتھ افغانستان کی سیر کرنے کی فرمائش کی۔ سر راس مسعود نے علامہ اقبال کو خط لکھ کر بیوی کی فرمائش کے متعلق مشورہ پوچھا علامہ نے سر راس مسعود کو جواب میں لکھا

"حکومت افغانستان اپنے تہذیبی و تعلیمی نظام کی تکمیل و ترتیب کے لئے ہندوستان کے علماء کا جو وفد بلا رہی ہے اس کے ہمراہ ایک بے پردہ خاتون کے جانے کا افغانستان کے حکمرانوں پر جو اثر مرتب ہو گا وہ کسی تشریح کا محتاج نہیں ہے یعنی بیگم صاحبہ کو رفیق سفر بنانے کی وجہ سے ہندوستان کے مسلم ماہرین تعلیم کے خیالات و نظریات پر ان کا وہ اعتماد ہی باقی نہ رہے گا جس اعتماد کی بنا پر اس وفد کو بلایا گیا ہے۱" بیگم راس مسعود کے لئے اگرچہ علامہ کا یہ مشورہ دل شکن تھا مگر دونوں میاں بیوی نے علامہ کے اس مشورے کو قومی شعور کے تحت قبول کر لیا اور سر راس مسعود علامہ کے مشورے کے مطابق بیگم کو افغانستان نہ لے گئے۔

عورت ایک حسین حقیقت

علامہ نے دسمبر ۱۹۲۵ء میں رسالہ نور جہاں کے لئے یہ قطعہ لکھا۔

تاب زن مثل گہر در خویشتن پیچیدہ بہ
چشم زار زندگانی از نظر پوشیدہ بہ
زندگی بحر پر آشوب است وزن پایاب او
موج و گرداش نگر پایاب او نادیدہ بہ

۱۔ روزگار فقیر جلد اول ص ۱۶۷

آشکارائی ز سیر آفرینش دوری است
زانکہ حفظ جوہر ہر خالق از مستوری است

اس قطعے میں علامہ اقبال نے عورت کو حسنِ مستور قرار دے کر عورت کے وقار اور مقام کو ظاہر کیا ہے۔ کیا بہترین تشبیہ دیکھ یہ ظاہر کیا ہے کہ عورت وہ جوہر ہے جو اپنی مستوری کی وجہ سے بیش بہا اور قیمتی ہے۔ اقبال کہتے ہیں کہ عورت کو قدرت نے شمع محفل بنا کر پیدا نہیں کیا بلکہ اس کی قدر و قیمت اور وقار اس لئے ہے کہ وہ مستور ہے شمع خانہ ہے اگر وہ شمع خانہ نہ ہوتی تو اسکی اتنی قدر و قیمت بھی نہ ہوتی یہ ایک حقیقت ہے کہ جو چیز دنیا میں زیادہ قیمتی اور نایاب ہوتی ہے وہ عام نہیں ہوتی بلکہ وہ ہزاروں پردوں میں پوشیدہ اور مستور ہوتی ہے مثلاً ہیرے اور جواہرات کو دیکھئے قیمتی سے قیمتی عناصر کو دیکھئے قدرت نے ان تمام قیمتی اور انتہائی کارآمد اشیاء کو ہزاروں پردوں میں مستور کر رکھا ہے۔ ان عناصر کو ہزاروں محنتوں اور مشقتوں کے بعد جب حاصل کیا جاتا ہے تو ان کی قدر و قیمت بھی ہوتی ہے۔ برعکس اس کے جو چیز عام ہوتی ہے اور آسانی سے دستیاب ہوتی ہے اس کی قدر و قیمت نہیں ہوتی اسی طرح جو عورت سر عام پھرنے والی اور مردوں سے میل جول رکھنے والی ہو گی اسکی کوئی قدر و قیمت نہ ہو گی نہ اس میں نسوانیت کے جوہر ہوں گے اور نہ ہی اس کے حسن میں یا رنگ میں کشش ہو گی اس کی مثال ایک ایسے گیند کی مانند ہو گی جو ہزاروں پاؤں سے ٹھوکریں کھا کھا کر گھس چکا ہو ایسی عورت میں نہ تو بصورتی باقی رہتی ہے اور نہ ہی وہ حسن مستور کہلانے کے مستحق ہوتی ہے۔ ایسی عورت کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی جو ہر کہ دمہ کے ساتھ میل جول رکھنے والی ہو اس قسم کی عورتیں تو طبقہ نسواں کے لئے باعث ننگ ہیں۔ ہر روز نت نئے فیشن اور نئے نئے سوٹ پہننے کے باوجود بھی انکے چہروں پر لعنت برستی رہتی ہے۔

اقبال کے نزدیک مرد اگر صاحب غیرت ہے تو وہ عورت کی صحیح محافظت کے فرائض سرانجام دے سکتا ہے اور اگر مرد میں غیرت نہ ہو تو عورت کی حفاظت نہ پردہ کر سکتا ہے اور نہ ہی عورت کا عورت پن عورت کی حفاظت کر سکتا ہے یعنی قوم کے افراد کا کام ہے

کہ وہ غیرت کے جوہر سے عورتوں کی حفاظت کریں اور ان کی عزت و حرمت کا پاس رکھیں۔ اقبال ضربِ کلیم میں فرماتے ہیں۔

اک زندہ حقیقت ہے مرے سینے میں مستور
کیا سمجھے گا وہ جس کی رگوں میں ہے لہو سرد
نے پردہ نہ تعلیم نئی ہو کہ پرانی
نسوانیت زن کا نگہباں ہے فقط مرد
جس قوم نے اس زندہ حقیقت کو نہ پایا
اس قوم کا خورشید بہت جلد ہوا زرد

یعنی میرے سینے میں ایک زندہ حقیقت پوشیدہ ہے جس کا میں اظہار کر رہا ہوں اس حقیقت کو وہی سمجھ سکتے ہیں جن کی رگوں میں غیرت مند خون ہے وہ لوگ اس حقیقت کو نہیں پا سکتے جو بے غیرت ہیں یا جن کے دلوں میں عورت کی عظمت اور برتری کا احساس نہیں ہے۔

یہ حقیقت سب پر عیاں ہونا چاہیئے اور سب کو یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ عورت کی حفاظت نہ تو جدید اور نہ قدیم تعلیم کر سکتی ہے اور نہ ہی عورت کا تحفظ پردہ کر سکتا ہے۔ عورت کے عورت پن کا تحفظ صرف مرد ہی کر سکتا ہے اور وہی مرد کر سکتا ہے جس میں غیرت ہو اور جس کے دل میں عورت کی عظمت کا احساس ہو۔

جو قوم عورت کا تحفظ نہیں کر سکتی یا جس قوم کے افراد عورت کو مادر پدر آزاد چھوڑ دیتے ہیں یا جو قوم عورت کی عظمت کا احساس نہیں کر سکتی وہ قوم بہت جلد تباہی اور بربادی کے گڑھے میں گر جاتی ہے۔

اقبال ان اشعار میں یہ بتاتے ہیں کہ عورت چونکہ قوموں کی تخلیق کا باعث ہے اس لئے اگر عورت کا تحفظ نہ کیا جائے اور عورت کو بے غیرت افراد بے راہ روی کے لئے آزاد چھوڑ دیں تو اس کا لازمی نتیجہ اجتماعی طور پر قوموں کی زندگی پر پڑے گا۔ اس قسم کی عورتیں قوم کو جو افراد مہیا کریں گی وہ بہترین افراد نہ ہوں گے اور جب بہترین افراد نہ ہوں گے تو وہ قوم بہت جلد صفحہ ہستی سے مٹ جائے گی۔ اقبال کے ان اشعار میں گرم لہو سے مراد غیرتمند افراد ہیں۔ اقبال کے نزدیک غیرتمند افراد ہی عورت کے بہترین محافظ ہو سکتے ہیں

تعلیماتِ اقبال اور پردہ

پردے کے ضمن میں بعض افراد کا یہ کہنا کہ:۔

"صنف لطیف کے لئے پردے کو اقبال کوئی زیادہ اہمیت نہیں دیتے" یا یہ کہنا کہ:۔

"ان کے خیال میں پردے سے کوئی نتیجہ نہیں وہ مشرق کے مرد و عورت میں کوئی فرق محسوس نہیں کرتے۔[1]"

بالکل غلط بلکہ اقبال کے نظریات اور اقبال کی تعلیمات کے سراسر منافی پروپیگنڈا ہے۔ اقبال نے مشرق کے مرد اور عورت میں قدرتی فرق کو ہمیشہ مدنظر رکھا ہے انہوں نے اپنے اشعار میں اپنی تقریروں میں اور اپنے خطوط میں بار بار یہ وضاحت کی ہے کہ قدرت نے مرد اور عورت کے الگ الگ فرائض اور الگ الگ حلقے مقرر کئے ہیں ان دونوں میں انہی فرائض کی وجہ سے زمین و آسمان کا فرق ہے اقبال کے نزدیک مسلمان عورتوں کے لئے پردے کی پابندی معاشرتی اصلاح اور معاشرتی بہبود کے لئے نہایت ضروری ہے مگر ہاں! اقبال اس رسمی پردے کی تلقین نہیں کرتے جس کے تحت عورتوں کو برقعوں میں لپیٹ کر زندگی بسر کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے بلکہ اقبال عورتوں اور مردوں کے بے جا میل ملاپ اور آزادانہ راہ و رسم اور مراسم کے خلاف ہیں۔ یہی اسلام کی تعلیم ہے اور اقبال اسی کی تبلیغ کرتے ہیں۔

اقبال نے مغربی عورت کے عنوان کے تحت ۱۹۳۱ء میں لندن کی راؤنڈ ٹیبل کانفرنس کے دوران ایک مشہور اخبار لیورپول پوسٹ کے نمائندے کو انٹرویو دیتے ہوئے مشرق اور مغرب کی عورتوں کی زندگی پر جن خیالات کا اظہار کیا ان میں اقبال نے پردے کی اہمیت کو بیان کرنے کے علاوہ مغربی عورتوں کی آزادی کو مغربی معاشرے کے لئے انتہائی تباہ کن قرار دیا۔ اس مضمون میں بھی اقبال نے پردے سے مراد یہی لی ہے کہ عورتوں کو مردوں سے آزادانہ میل جول نہیں رکھنا چاہیئے اور نہ ہی عورتوں کو غیر محرم مردوں کو دیکھنا چاہیئے۔ یعنی اقبال اسی پردے کے حامی ہیں جس کا اسلام نے حکم دیا ہے۔ یہ اسلامی پردہ عورت کے شرم و حیا پر منحصر ہے اس اسلامی پردے میں عورتوں اور مردوں کو

۱۔ اقبال احوال و افکار صہ ۱۴۵

باہمی اختلاط سے منع کیا گیا ہے۔

اقبال فرماتے ہیں یہ ہیں مغرب کی عورتوں کا مشرق کی عورتوں سے موازنہ کرتے ہوئے مغرب کی عورتوں کے حالات پر کچھ روشنی ڈالنا چاہتا ہوں۔ میں لندن کے گلی کوچوں میں کئی باتیں دیکھ رہا ہوں جس سے لندن کے لوگ بے خبر ہیں۔ مگر وہ باریک بین مبصر جو کئی سالوں کے بعد یہاں آیا ہو وہ ان واقعات اور حقائق کو دیکھ کر متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

میں مغرب میں جنسی پستی کے رجحان کو حیرت کی نگاہوں سے دیکھتا ہوں اب شاید ہی کوئی مرد ٹرین میں عورتوں کو بیٹھنے کے لئے سیٹ چھوڑتا ہو۔ اب وہ کار سے اترتے وقت عورتوں کو سبقت کی اجازت بھی نہیں دیتے۔ میں ان خرابیوں کا ذمہ دار مردوں کو نہیں ٹھہراتا میں تو یہ کہتا ہوں کہ یہ قصور صرف ان عورتوں کا ہے جنہوں نے مردوں سے ہمسری کے لئے آزادی نسواں کا ڈھنڈورا پیٹا۔ یہ اخلاقی گراوٹ انہی آزادی پسند عورتوں کی آزادی کا نتیجہ ہے یہ انہی مراعات کا نتیجہ ہے جو عورتوں کو دی گئیں اب اس کا کوئی علاج نہیں ہے۔

اقبال اور مشرقی عورت

اب میں یہ ضروری سمجھتا ہوں کہ مشرقی عورتوں کے متعلق ایک غلط فہمی کا ازالہ کروں جو خاص کر مسلمان عورتوں اور مردوں کے درمیان تعلقات کی وجہ سے ہے۔ یورپ کی عورتوں نے تو اپنی آزادی کی وجہ سے اپنے آپ کو ایک بلند اور شان و شوکت والے مرتبے سے گرا دیا ہے جس پہ وہ ایک عرصے تک فائز رہیں۔ ان کے برعکس دوسری طرف مشرقی عورتیں ابھی تک اپنے اسی باعزت اور قابل فخر مرتبے پہ فائز ہیں۔ یورپ ابھی تک یہ سوچ رہا ہے کہ ترکی کی عورتوں نے یورپ کی باقی عورتوں کی طرح معاشرے میں کوئی خاص کردار کیوں ادا نہیں کیا۔ ان کا یہ خیال دراصل ہماری گھریلو زندگی کی عدم واقفیت کی وجہ سے ہے ان لوگوں نے اب اس مصلحت کو پہچانا ہے جو پردے میں پوشیدہ ہے۔ ہماری عورتوں کی برقع میں علیحدگی محض اس لئے نہیں ہے کہ مرد بد اخلاق ہیں۔

عورت حقیقت میں خدا کی مقدس ترین مخلوق ہے۔ اس لئے اس کے جنسی تعلقات اس بات کا تقاضا کرتے ہیں کہ وہ ناپاک نظروں سے بچی رہے اور محفوظ رہے۔ عربی میں حرم کا مطلب پاک اور مقدس جگہ ہے جس کو اجنبیوں کی مداخلت سے ناپاک نہ کیا جائے

ان تشریحات اور توضیحات کے علاوہ پردے کے لئے اور بھی کئی وجوہ ہیں مگر وہ کم و بیش حیاتی ہیں جن کا یہاں بیان کرنا مناسب نہیں ہے۔ اب میں نے یہاں یہ بتانا ہے کہ وہ کون سے بنیادی مقاصد ہیں جن کی وجہ سے پردے کا رواج شروع ہوا۔ اس دنیا میں عورت اولاد پیدا کرنے کیلئے مقدس ترین ذریعہ ہے اور یہ حقیقت ہے کہ پیدائشی عوامل ہمیشہ زندگی میں پوشیدہ اور مستور رہتے ہیں۔ ایک مشرقی عورت کی عزت اور آبرو پردے میں پنہاں ہے کئی صدیوں تک اس سے روگردانی نہیں کی گئی حقیقت یہ ہے کہ عورتوں پر یہ فرض عائد کیا گیا ہے کہ وہ غیر محرموں سے دور رہیں قرآن پاک میں عورتوں اور مردوں کو ایک دوسرے سے الگ رہنے کے لئے بہت سے قوانین بیان کئے گئے ہیں جن میں سے ایک پردہ ہے۔ قرآن میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ جب کسی موقع پر مرد اور عورت یکجا ہوں یا ان کا ایک دوسرے سے آمنا سامنا ہو تو وہ ایک دوسرے کی طرف نہ دیکھیں۔ نظریں نہ ڈالیں اگر تمام دنیا اس قانون کی پیروی کرے تو پھر رسمی پردے کی ضرورت ہی نہیں۔ ہندوستان اور دوسرے مسلم ممالک میں بہت سی مستورات کبھی برقع استعمال نہیں کرتیں۔ حقیقت میں برقع ایک خاص ذہنی رجحان کا مظہر ہے۔ اس رجحان کو مضبوط کرنے کیلئے کوئی قدم اٹھانا ضروری ہے اس کام میں انسان کے ذاتی اور قومی حالات کے پیش نظر فرق کیا جا سکتا ہے۔

"حرم" کے متعلق بہت سے اعتراضات کئے گئے ہیں مگر میں اس بات کو صاف طور پر بتا رہا ہوں کہ حرم کوئی عام چیز نہیں تھی بلکہ یہ بادشاہوں اور سلطانوں کے ساتھ وابستہ تھی۔ جب میں مشرقی مستورات کا ذکر کرتا ہوں تو اس سے آپ کے ذہن میں تعدد ازدواج کا خیال ابھرتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اسلام تعدد ازدواج کی اجازت دیتا ہے لیکن یہ بے لگام حرامکاری کے برخلاف ایک مؤثر حربہ ہے اگر ایک شادی کی جائے تو وہ مثالی ہوتی ہے مگر اس جگہ ہمارے پاس اس برائی کو روکنے کے لئے کیا علاج ہوگا جہاں عورتوں کی تعداد مردوں سے زیادہ ہو۔ قرون وسطیٰ میں یورپ میں خانقاہیں اور کلیسا کے ادارے شروع کئے گئے جہاں اُن عورتوں کو جن کی تعداد زیادہ تھی انہیں ان میں سمو دیا جاتا تھا۔ لیکن آج کل ان اداروں کا دوبارہ احیا کرنا ناممکن ہے۔ صنعتی انقلاب نے عورتوں اور مردوں کے اندر تعدد ازدواج کے برخلاف ایک بغاوت کا جذبہ پیدا

کیا مگر مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ سماجی خرابی اور بدبختیاں اسی طرح جاری ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ تعدد ازدواج ہماری خرابیوں کا مکمل علاج ہے لیکن یہ خیال یا نظریہ کہ مستورات اپنے لئے خود روٹی کمائیں، مجھے انتہائی تشویش میں مبتلا کر رہا ہے اس سے مستورات میں جو نسوانیت ہے وہ تباہ و برباد ہو جائے گی۔ اسلام میں عورت کی پوزیشن اہم ہے یہ ضروری نہیں اور نہ اس سلسلے میں کوئی مستقل قانون ہے کہ تعدد ازدواج ضروری ہے مسلمانوں کی فقہ کے مطابق حاکم وقت اس قانون کو ختم کر سکتا ہے بشرطیکہ وہ انسان کی معاشرتی زندگی کو خراب کرتا ہو۔

اسلام کے قانون کے مطابق ایک عورت طلاق کے بعد بھی اپنی جائیداد کا بندوبست کر سکتی ہے تاکہ اس کے حقوق محفوظ رہیں۔ وہ کام بھی کر سکتی ہے اسلامی فقہا نے یہ فتویٰ بھی دیا ہے کہ عورت خلافت کے لئے بھی منتخب بھی کی جا سکتی ہے۔ ایک خاوند کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنی بیوی کو گذارا دقات مہیا کرے اور یہ چیز جہیز کے علاوہ ہوگی عورت کے ان حقوق کو پورا کرنے کے لئے وہ اپنے خاوند کی تمام جائیداد کا پورا قبضہ حاصل کر سکتی ہے۔

اسلامی قانون طلاق کا حق دیا ہے۔ کسی موقع پر اس حقوق کو حاصل کرنے کے لئے عورت کو شادی کے موقع پر اپنے بھائی، باپ یا کسی اجنبی کو بھی اپنا نمائندہ مقرر کرنے کا حق حاصل ہے۔ اسے مختار کار کہتے ہیں۔ اب یہ بات میں یورپ کے قانون دانوں پر چھوڑتا ہوں کہ وہ معلوم کریں کہ یہ بلاواسطہ طریقہ عورت کے حقوق کے تحفظ کے لئے کیوں ضروری سمجھا گیا ہے۔[1]"

مادہ پرستی کا دور

اقبال موجودہ دور کو مادہ پرستی کا دور قرار دیتے ہوئے نئی نسل کو اس دور کے مضر اثرات سے بچنے کی تلقین کرتے ہیں کہنے کو تو یہ دور آزادی کا دور کہلاتا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ اس دور نے آدمیت اور شرافت کو ختم کر دیا ہے۔ ظاہری طور پر تو اس دور

۱۔ اقبال اینڈ ہز لائف ص ۶۲-۶۳ (انگریزی)

نے آزادی کا پرچم بلند کر رکھا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ اس دور میں آزادی کے پردے میں سینکڑوں نوجوان مادر پدر آزاد ہو کر بری عادتوں اور فیشن کے غلام بن چکے ہیں۔ اسی فیشن نے عورتوں کو بھی مادیت کا غلام بنا کر انہیں ان کے حقیقی راستے سے ہٹا کر دور کہیں دور پھینک دیا ہے۔ جو لوگ شرافت کے دائرے سے نکلنا پسند نہیں کرتے انہیں یہ مادہ پرست دور رجعت پسند قرار دیتا ہے یعنی شریف لوگ موجودہ دور کے نزدیک غیر مہذب اور دقیانوسی کہلاتے ہیں۔ حالانکہ اس دور ہی کی وجہ سے انسانی اخلاق پامال ہو چکے ہیں اور دنیا سے شرافت اور انسانیت کا خاتمہ ہو چکا ہے۔ اقبال فرماتے ہیں ؎

جواناں را بد آموز است ایں عصر — شب ابلیس را روز است ایں عصر
بد امانش مثال شعلہ پیچم — کہ بے نور است و بے سوز است ایں عصر

عورت اور حیا

علامہ اقبال حیا کو عورتوں کا زیور قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

نگاہ تست شمشیر خدا داد — بزخمش جان ما حق بما داد
دل کامل عیار آں پاک جان بُرد — کہ تیغ خویش را آب از حیا داد

اس رباعی میں علامہ حیا کی حقیقت کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ بات حقیقت پر مبنی ہے کہ قدرت نے عورت کی شخصیت میں دلکش جاذبیت اور کشش رکھی ہے اور یہی کشش دراصل نوع انسانی کے توالد و تناسل کا باعث ہے مگر حکمائے اخلاق کی نگاہوں میں وہی عورت لائق صد احترام اور پروقار شخصیت کہلانے کی مستحق ہے۔ جو شرم و حیا کا مجسمہ ہو یعنی عورت صرف اسی وقت لائق صد احترام اور باعث فخر ہو سکتی ہے جب وہ شرم و حیا کی مالک ہو ظاہر ہے کہ جس عورت میں شرم و حیا نہ ہو گا وہ عورت آوارہ ہو گی اور شرم و حیا سے عاری عورت اپنے فرائض منصبی کو کبھی بھی پورا نہیں کر سکتی اس قسم کی عورتوں سے یہ امید رکھنا کہ وہ قوم کے لئے بہترین افراد مہیا کریں گی عبث ہے۔ بلکہ اس قسم کی عورتیں تو ننگ نسواں ہیں۔ اور معاشرے کے لئے باعث شرم ہیں۔

شرم و حیا ہی عورت کا بہترین زیور ہے جس عورت میں شرم و حیا نہ ہو وہ عورت

صحیح معنوں میں اپنے بچوں کو خودی کی حدود کے اندر تربیت نہیں دے سکتی۔ مغربی تہذیب کی اندھا دھند تقلید کی وجہ سے مسلمان عورتوں نے بھی مصنوعی حسن و جمال سے اپنے جسم اور اپنے حسن کی نمائش کو اپنا نصب العین بنا رکھا ہے یہ ظاہری نمود و نمائش اور مصنوعی حسن کی وجہ سے عورتوں میں بے راہ روی کے جراثیم دن بدن بڑھتے جا رہے ہیں دلربائی کے اس سوفیانہ انداز نے عورتوں کے حقیقی وقار اور حقیقی حسن اور خوبی کو خاک میں ملا دیا ہے۔ اقبال قوم کی بہو بیٹیوں کو ارمغان حجاز میں خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

بہل اے دخترک ایں دلبری ہا — مسلماں را نہ زیبد کافری ہا
منہ دل بر جمال غازہ پرورد — بیاموز از نگاہ غارت گری ہا

یعنی اے بیٹی! دلبری اور دلربائی کے سوفیانہ اور ظاہرانہ نمود و نمائش کے طور و طریقے چھوڑ دے کیونکہ یہ تمام بے حیائی اور عریانی کے طور طریقے ہیں ایک مسلمان لڑکی کو مغرب کی تقلید کرتے ہوئے یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ اس مصنوعی حسن و جمال کی آرائش و نمائش کی طرف مائل رہے جس کا انحصار پوڈر یا میک اپ پر ہے مسلمان عورت کا حسن و جمال دراصل اس کی بلند سیرت ہے لہٰذا مسلمان لڑکیوں کو چاہیئے کہ وہ اپنی صورت کی بجائے اپنی سیرت کو نکھارنے کی طرف توجہ دیں تاکہ دنیا ان کی عفت اور پاکیزگی کی معترف ہو جائے کیونکہ جسمانی خوبصورتی روحانی خوبصورتی کے مقابلے میں کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔

باب ۴

اقبال اور تعلیم نسواں

- عورتوں کی تعلیم
- نوجوان مبلّغ اور مسلم خاتون
- اقبال کا نظریہ تعلیم
- مغربی تعلیم
- فاطمہ بیگم کی حوصلہ افزائی
- قرآنی تعلیم
- قرآن پڑھنا
- مخلوط تعلیم
- عورتوں کی قدامت پسندی
- عورت اور اسلامی تاریخ
- عورت کا سوز قرأت
- عورتوں کیلئے نصاب تعلیم
- عورتوں کیلئے الگ یونیورسٹی
- علم و محن کی تقلید

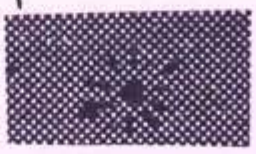

عورتوں کی تعلیم

علامہ اقبال ۱۹۱۰ میں مسلم یونیورسٹی علیگڑھ کے طلبا کی دعوت پر علیگڑھ تشریف لے گئے جہاں آپ نے ایک خصوصی تقریب میں اسلام کے معاشرتی اور سیاسی نظریے پر ایک خطبہ پڑھا یہ خطبہ انگریزی میں تھا جس کا عنوان تھا

"ISLAM AS A SOCIAL AND POLITICAL IDEA"

اس خطبے کے آخری حصے میں علامہ نے عورتوں کی تعلیم کے متعلق چند کلمات کہنا ضروری سمجھتا ہوں۔ اسلام میں عورتوں کا جو درجہ ہے اس پر تفصیلی رائے زنی کرنے کی یہاں گنجائش نہیں البتہ کھلے کھلے لفظوں میں اس امر کا اعتراف میں ضرور کروں گا کہ بفحوائے آیہ کریمہ الرجال قوامون علی النساء میں مرد اور عورت کی مطلق مساوات کا حامی نہیں ہو سکتا۔ یہ ظاہر ہے کہ قدرت نے ان دونوں مرد اور عورت کے تفویض جدا جدا خدمتیں کی ہیں اور انکی فرائض جداگانہ کی صحیح اور باقاعدہ انجام دہی خانوادہ انسانی کی صحت اور فلاح و بہبود کیلئے لازمی ہے۔ مغربی دنیا میں جہاں نفسی نفسی کا ہنگامہ گرم ہے۔ غیر معتدل مسابقت نے ایک خاص قسم کی اقتصادی حالت پیدا کر دی ہے عورتوں کا آزاد کر دیا جانا ایک ایسا تجربہ ہے جو میری دانست میں بجائے کامیاب ہونے کے الٹا نقصان رساں ثابت ہوگا اور نظام معاشرت میں اس سے بے حد پیچیدگیاں واقع ہو جائیں گی اور عورتوں کی اعلیٰ تعلیم سے بھی جس حد تک کہ افراد قوم کی شرح ولادت کا تعلق ہے۔ جو نتائج مرتب ہوں گے وہ بھی غالباً پسندیدہ نہ ہوں گے۔ مغربی دنیا میں جب عورتوں نے گھر کی چار دیواری سے باہر نکل کر کسب معاش کی جد و جہد میں مرد کا ساتھ دینا شروع کیا تو خیال کیا جاتا تھا کہ اُن کی یہ اقتصادی حریت، دولت کی پیداوار میں معتدبہ اضافہ کرے گی لیکن تجربے نے اس خیال کی نفی کر دی اور ثابت کر دیا کہ اس خاندانی وحدت کے رشتے کو جو بنی نوع انسان کی روحانی زندگی کا جزو اعظم ہے یہ حریت توڑ دیتی ہے۔

میں اس حقیقت کے اعتراف کے لئے آمادہ ہوں کہ زمانہ حال میں کسی جماعت کا محض مقامی قوتوں کے ذریعے نشو و نما پانا محال ہے۔ ریل اور تار نے زمان و مکان کے پردے کو درمیان سے اٹھا سا دیا ہے اور دنیا کی مختلف قومیں جن میں پہلے بعد المشرقین

حائل تھا اب پہلو بہ پہلو بیٹھی ہوئی نظر آتی ہیں۔ اس ہم نشینی کا نتیجہ یہ ہونے والا ہے کہ بعض قوموں کی حالت بدل کر رہ جائے گی اور بعض قومیں بالکل ہی ملیا میٹ ہو جائیں گی، جو عظیم الشان اقتصادی، عمرانی اور سیاسی قوتیں اس وقت تک دنیا میں اپنا عمل کر رہی ہیں ان کے نتائج کے بارے میں کوئی شخص پیش بندی کی راہ میں سے رائے زنی نہیں کر سکتا۔ لیکن ہمیں یاد رکھنا چاہیئے کہ اگر کسی قوم کے لئے بغرض تکمیل صحت اپنی تمدنی آب وہوا کی تبدیلی کے طور پر کسی غیر قوم کے تمدن کے عناصر کا اخذ وجذب کرنا قرین مصلحت بلکہ لازمی ہے۔ کیوں نہ ہو لیکن اگر اعتبار کی تقلید میں شتاب زندگی اور بے سلیقگی سے کام لیا گیا تو نظام قومی کے اعضاء رئیسہ میں عظیم اختلال پیدا ہونے کا خطرہ ہوگا۔ اقوام کے تمدن میں ایک پہلو عمومیت کا ہوتا ہے لیکن ان کی معاشرت کی رسموں اور سیاسی دستوروں میں شخصی خصوصیات کی شان نظر آتی ہے یہ رسوم اور یہ دساتیر ان قوموں کی تاریخی زندگی اور ان کی خاص روایات سے اثر پذیر ہوتی ہیں پس اپنی قوم کی خاص نوعیت اسلام کی تعلیم اور عالم نسواں کے متعلق علم الاعضاء اور علم الحیات کے اکتشافات کو مدنظر رکھنے کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچے بغیر نہیں رہ سکتے کہ مسلمان عورت کو اسلامی گروہ میں بدستور اسی حد کے اندر رہنا چاہیئے جو اسلام نے ان کے لئے مقرر کر دی ہے اور جو حد کہ اس کے لئے مقرر کی گئی ہے اسی کے لحاظ سے اس کی تعلیم بھی ہونا چاہیئے۔

میں نے سطور بالا میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ہماری قوم کا شیرازہ اس وقت تک بندھا رہ سکتا ہے جب تک ہم مذہب اسلام پر کاربند اور تہذیب اسلام کو اپنائے رکھیں۔ چونکہ عورت کے دل ودماغ کو مذہبی تخیل کے ساتھ ایک خاص مناسبت ہے لہٰذا قومی ہستی کی مسلسل بقا کے لئے یہ بات نہایت ضروری ہے کہ ہم اپنی عورتوں کو ابتدا میں ٹھیٹھ مذہبی تعلیم دیں اور جب وہ مذہبی تعلیم سے فارغ ہو چکیں تو اُن کو اسلامی تاریخ علم تدبیر خانہ داری اور علم اصول حفظان صحت پڑھایا جائے اس سے ان کی دماغی قابلیتیں اس حد تک نشوونما پا جائیں گی کہ وہ اپنے شوہروں سے تبادلہ خیال کر سکیں گی اور امومت کے وہ فرائض جو میری رائے میں عورت کے فرائض اولین ہیں نہایت خوش اسلوبی سے سرانجام دے سکیں گی۔ وہ تمام مضامین جو عورتوں کی نسائیت کی نفی کرنے یا اسلام کے دائرے سے انہیں نکالنے والے ہوں انہیں عورتوں کے نصاب تعلیم سے خارج کر دینا چاہیئے۔ ہمارے نکتہ آموز ابھی تک اندھیرے میں رستہ ٹٹولتے پھرتے ہیں۔

انھوں نے ابھی تک ہماری لڑکیوں کیلئے کوئی خاص نصاب تعلیم معین و مرتب نہیں کیا بلکہ ان میں سے بعض بزرگواروں کی آنکھیں تو مغربی تصورات کی روشنی سے ایسی چندھیا سی گئی ہیں کہ وہ ابھی تک اسلام میں جو قومیت کو ایک خاص ذہنی کیفیت یعنی مذہب پر منحصر قرار دیتا ہے اور مغربیت میں جس نے قومیت کا محل ایک خارجی مواد یعنی وطن کی بنیاد پر تعمیر کیا ہے کوئی فرق نہیں سمجھ سکے[۱]۔''

علامہ نے اس مقالے میں عورتوں کی تعلیم اور نصاب تعلیم پر جن خیالات کا اظہار کیا ہے یہ علامہ کے وہ زریں خیالات ہیں کہ اگر ان خیالات پر عمل پیرا ہو کر مسلمان خواتین کیلئے نصاب تعلیم مرتب اور نافذ کیا جائے اور انہی اصولوں پر عورتوں کو تعلیم دی جائے جن کا اظہار علامہ اقبال نے کیا ہے تو یقیناً اس تعلیم سے عورتوں کو بہت زیادہ فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ بلکہ اس قسم کی تعلیم یافتہ عورت اپنے بچوں کو بہترین تربیت دیکر انھیں مسلمان قوم کے لئے مایۂ ناز افراد بنا سکتی ہے۔

اسلامی دور حکومت میں عورتوں کو مذہبی تعلیم دی جاتی تھی اور وہ ان تمام علوم پر عبور حاصل کرتی تھیں جو انسان کی ذہنی اخلاقی اور روحانی ترقی کیلئے ضروری ہوتا تھا۔ مغربی اثر و نفوذ جوں جوں اور جہاں جہاں پھیلتا گیا وہ اپنے ساتھ ساتھ نظریہ تعلیم بھی نافذ کرتا گیا۔ مغربی نظریۂ تعلیم میں اخلاقی قدروں کی کوئی اہمیت ہی نہیں وہ عورتوں کو محض ذریعہ عیش کے طور پر ان کے دل و دماغ میں وہی جذبات پیدا کرنے کا سبب ہے جن کی مغربی معاشرے میں ضرورت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مغربی نظریہ تعلیم کے تحت عورتوں کیلئے بھی جو نصاب تعلیم مرتب کیا جاتا ہے اس میں عشق و عاشقی اور عشق و محبت کے جذبات ابھارنے کے بغیر کچھ بھی نہیں ہوتا۔ ہمارے ملک میں بھی جب انگریزوں نے قدم جمائے اور پھر یہاں جب نصاب تعلیم رائج کیا تو مردوں اور عورتوں دونوں کے لئے یکساں نصاب رائج کیا گیا۔ اب تک اسی طرز پر یہ نصاب مرتب کئے جا رہے ہیں۔ اس نصاب میں شکسپیئر کے عشقیہ ڈراموں کو خاص اہمیت دی جاتی ہے۔ ان عشقیہ ڈراموں کو پڑھ کر ہماری طالبات میں جو سب سے زیادہ رجحان پیدا ہوتا ہے وہ رجحان عشق و محبت کا رجحان ہے۔ ان ڈراموں میں اس قسم کے ڈائلاگ ہوتے

۱۔ ملت بیضا پر ایک عمرانی نظر: علامہ محمد اقبال ص ۹۸ تا ص ۱۰۳

ہیں کہ ایک طالبہ اپنے باپ یا بھائی کے سامنے ان اسباق کو کھلے لفظوں میں نہیں دہرا سکتی۔ علامہ اقبال اس نصاب تعلیم کے سخت مخالف تھے اور وہ یہ چاہتے تھے کہ عورتوں کیلئے نصاب تعلیم ایسا ہونا چاہیئے جو اخلاقی حدود کے اندر رہ کر عورتوں کی صحیح اخلاقی رہنمائی کر سکے۔ علامہ عورتوں کو دنیا کی آبادی کا باعث اور قوموں کیلئے بہترین افراد کے مہیا کرنے کا سبب سمجھتے ہوئے یہ تڑپ اپنے دل میں رکھتے تھے کہ عورتوں کی اگر صحیح اخلاقی حدود میں تعلیم و تربیت کی جائے تاکہ وہ ایک بہترین قوم مہیا کر سکیں۔

اقبال عورتوں کیلئے اس تعلیم پر زور دیتے ہیں جو عورتوں میں اعلیٰ اور بلند اخلاق پیدا کر سکے اور عورتوں کو صحیح اسلامی اصولوں پر کاربند رہنے کی تربیت کر سکے۔ اقبال فرماتے ہیں کہ علم سے خودی محکم ہوتی ہے اور جب خودی محکم ہو جاتی ہے تو انسان انسانیت کے معراج کو پہنچ جاتا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں ؎

خودی ہو علم سے محکم تو غیرتِ جبریل — اگر ہو عشق سے محکم تو صورِ اسرافیل

اقبال کے نزدیک زندگی کی تکمیل کیلئے علم و عمل دونوں ضروری ہیں اگر علم ہو اور عمل نہ ہو تو وہ علم بیکار ہے عمل بغیر علم کے کچھ حد تک حاصل ہو سکتا ہے مگر وہ عمل جو علم کے بعد حاصل ہوتا ہے وہ مکمل عمل ہوتا ہے مگر علم کے بغیر جو عمل ہوتا ہے اس میں کوتاہی کا امکان ہو سکتا ہے۔ اقبال زندگی کی تکمیل کیلئے عمل کو لازمی قرار دیتے ہیں۔ حقیقت کو سمجھنے حقیقت کو پانے اور حقیقت تک پہنچنے کیلئے "عمل" ہی ایک اہم ذریعہ ہے۔ عمل ہی کے ذریعے انسان حقیقت کے معراج کو پہنچتا ہے چنانچہ اقبال فرماتے ہیں۔

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی — یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

اقبال کے نزدیک زندگی کی تسخیر کیلئے انسان کی حرکت جب منظم ہوتی ہے تو وہ عمل کہلاتی ہے یہ حرکت علم کے حصول کے بعد بہترین طریقے سے منظم ہوتی ہے۔ گویا علم انسان کو عمل کا بہترین راستہ دکھاتا ہے عمل کی حرکت سے ہی فطرت کے قوانین کو مسخر کیا جا سکتا ہے "انسان کی ساری سائنسی اور تمدنی ترقی اسی اصول کی وجہ سے ممکن ہو سکی ہے"[1]

۱۔ اقبال نئی تشکیل ص ۲۰۶

اقبال کے نزدیک اصلاح تمدن کے بعد سب سے اہم چیز تعلیم ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔

"مسلمانوں نے بالعموم یہ سمجھا ہے کہ تعلیم کا منشا و مقصد زیادہ تر دماغی تربیت ہے اور جو تعلیمی کام آج تک ہمارے اہل الرائے نے کیا ہے اس کی بنا اسی خیال پر رہی ہے مگر میں نے جہاں تک اس مسئلے پر غور و فکر کیا ہے میں سمجھتا ہوں کہ تعلیم کا اصل مقصد نوجوانوں میں ایسی قابلیت پیدا کرنا ہے جس سے ان میں باحسن وجوہ اپنے تمدنی فرائض کے ادا کرنے کی صلاحیت پیدا ہو جائے۔ میری مراد یہ نہیں کہ جو دماغ قدرتی طور پر عملی تحقیقات کی اصلی صورتوں کی طرف میلان رکھتے ہیں ان کے نمو کو روک دیا جائے بلکہ میرا مدعا یہ ہے کہ مجموعی حیثیت میں قومی تعلیم کی بنیاد ان ضرورتوں پر ہونی چاہیئے جو انقلاب حالات کی وجہ سے پیدا ہوئی ہوں[1]۔"

نوجوان مبلغ اور مسلم خاتون

علامہ اقبال مغربی طرز تعلیم اور مغربی طریقہ تعلیم اور مغربی طرز پر مرتب کیے ہوئے نصاب تعلیم کو مسلمان خواتین کی اخلاقی تباہی کا باعث سمجھتے تھے چنانچہ آپ اپنی بیاض میں نوجوان مبلغ اور مسلم خاتون کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں "معاشرتی اصلاح کے نوجوان مبلغ یہ سمجھتے ہیں کہ مغربی تعلیم کے چند جرعے مسلم خاتون کے تن مردہ میں نئی جان ڈال دیں گے اور وہ اپنی رِدائے کہنہ کو پارہ پارہ کر دے گی۔ شاید یہ بات درست ہو لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ اپنے آپ کو برہنہ پا کر اسے ایک مرتبہ پھر اپنا جسم ان نوجوان مبلغوں کی نگاہوں سے چھپانا پڑے گا[2]"

اس تحریر سے صاف عیاں ہوتا ہے کہ اقبال ان لوگوں کی رائے کو اور خیال کو صحیح نہیں سمجھتے جو عورتوں کو مغربی تعلیم سے آراستہ کر کے مغربی خواتین کی طرح مادر پدر آزاد کرنے کے حق میں ہیں۔ اقبال کو امید ہے کہ اگر عورتوں نے ان مغرب زدہ مبلغین کے کہنے پر مغرب کی تقلید کر لی تو ایک وقت ضرور ایسا بھی آئے گا کہ ہماری یہ مسلمان

۱۔ رسالہ مخزن لاہور اکتوبر ۱۹۰۴ء ماخوذ از مضمون "قومی زندگی" از اقبال۔
۲۔ شذرات فکر اقبال ص۱۴۲

عورتیں مغرب کے طرز زندگی کو اپنے لئے ننگ و عار سمجھ کر دوبارہ اسلام کے اصولوں کو اپنا کر اپنا کھویا ہوا وقار حاصل کر لیں گی۔

علامہ اقبال کا نظریہ تعلیم

اقبال اس نظریہ تعلیم کے حامی تھے جو اسلامی تہذیب کے سانچے میں ڈھالا گیا ہو۔ فرماتے ہیں۔

"میری رائے میں قومی سیرت کا وہ اسلوب جس کا سایہ عالمگیر کی ذات نے ڈالا ہے ٹھیٹھ اسلامی سیرت کا نمونہ ہے اور ہماری تعلیم کا مقصد یہ ہونا چاہیئے کہ اس نمونے کو ترقی دی جائے اور مسلمان ہر وقت اسے پیش نظر رکھیں۔ اگر ہمارا مقصد یہ ہو کہ ہماری قومی ہستی کا سلسلہ ٹوٹنے میں نہ آئے تو ہمیں ایک ایسا اسلوب سیرت تیار کرنا چاہیئے جو اپنی خصوصیات مخصوصہ سے کسی صورت میں بھی علیحدگی اختیار نہ کرے اور خذ ما صفا ودع ما کدر کے زرین اصول کو پیش نظر رکھ کر دوسرے اسالیب کی خوبیوں کو اخذ کرتے ہوئے ان تمام عناصر کی آمیزش سے اپنے وجود کو کمال احتیاط کے ساتھ پاک کر دے جو اس کی روایات مسلمہ و قوانین منضبطہ کے منافی ہوں۔ ہندوستان میں مسلمانوں کی عمرانی رفتار کو بہ نگاہ غور دیکھنے سے اس حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے جو قوم کے اخلاقی تجربہ کے مختلف خطوط کا نقطۂ اتصال ہے۔"

گذشتہ پچاس سال کے دوران میں مسئلہ تعلیم ہماری ہمتوں اور سرگرمیوں کا نصب العین بنا رہا ہے یہ سوال کرنا بے جا نہ ہوگا کہ آیا اشاعت تعلیم میں ہم نے کسی خاص رعایت کو پیش نظر رکھا ہے یا مستقبل کی طرف سے مطلقاً خالی الذہن ہو کر محض حال کی فوری ضرورتوں کا خیال کیا ہے؟ ہم نے کس قسم کے تعلیم یافتہ اشخاص تیار کئے ہیں؟ آیا ان اشخاص کی قابلیت ایسی ہے کہ ہم مسلمانوں کی سی مختص التکیب جماعت کی عمرانی ہستی کے تسلسل کی کفیل ہو سکے؟ ان سوالات کے جوابات کنایتہً پہلے ہی دیئے جا چکے ہیں۔ علم النفس کے اصول سے جو لوگ واقف ہیں انہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ نفس ناطقہ کی وہ کیفیت جسے استبصار یا ہشیاری سے تعبیر کرتے ہیں ذہنی حالتوں

کے باقاعدہ تواتر پر منحصر ہوتی ہے جب نفس ناطقہ کے سلسلہ ہتیاری میں خلل واقع ہوجاتا ہے تو نفس بیمار پڑ جاتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ قوائے حیوانی رفتہ رفتہ تحلیل ہو جاتے ہیں یہی حالت اقوام کے نفس ناطقہ کی ہے جس کا تسلسل اس اجتماعی تجربہ کے باقاعدہ انتقال پر ہے جو نسلاً بعد نسل قوم کو اپنے اسلاف سے میراث میں پہنچتا رہتا ہے تعلیم کا مقصد یہ ہے کہ اس توارث متوالیہ کی موید ہو کر نفس ناطقۂ قومی کو استبصار کامل بنائے تاکہ وہ اپنی ذات کے ادراک پر قادر ہو سکے فرد کا رابطۂ اتحاد اس قوم کے ساتھ جس کا وہ جزو ہے اگر بڑھ سکتا ہے تو اس دانستہ کوشش سے تعلیم کے ذریعے سے وہ روایات مجتمع کے جو مختلف اجزا اس طور پر منتقل کئے جاتے ہیں وہ نفس ناطقۂ قومی میں جذب اور پیوستہ ہو کر ان چند افراد قوم کے لئے میل و فرسنگ کا کام دیتے ہیں جن کی پوری زندگی اور کل قابلیت غور و فکر قوم کے مختلف غایات و مقاصد کی منزلیں طے کرنے میں گزر جاتی ہے مثلاً ایک قوم کی قانونی، تاریخی اور علمی روایات اس قوم کے مقننوں، مورخوں اور دانشپردازوں کی چشم بصیرت کے سامنے ہر وقت ایک نمایاں شکل میں موجود رہتی ہیں اگرچہ قوم کو مجموعی حیثیت سے ان روایات کا ادراک موہوم و مبہم طور پر ہوتا ہے۔ اس نقطۂ خیال سے اگر ہم اپنے تعلیمی کارناموں کی قدر و قیمت کا اندازہ لگائیں تو معلوم ہوگا کہ موجودہ نسل کا نوجوان مسلمان قومی سیرت کے اسالیب کے لحاظ سے ایک بالکل نئے اسلوب کا ماحصل ہے جس کی عقلی زندگی کی تصویر کا پردہ اسلامی تہذیب کا پردہ نہیں ہے حالانکہ اسلامی تہذیب کے بغیر میری رائے میں وہ صرف نیم مسلمان بلکہ اس سے بھی کچھ کم ہے اور وہ بھی اس صورت میں کہ اس کی خالص دنیاوی تعلیم نے اس کے مذہبی عقائد کو متزلزل نہ کیا ہو اس کا دماغ مغربی خیالات کی جولانگاہ بنا ہوا ہے اور میں علی رؤس الاشہاد کہتا ہوں کہ اپنی قومی روایات کے پیرایہ سے عاری ہو کر اور مغربی لٹریچر کے نشے میں ہر وقت سرشار رہ کر اس نے اپنی قومی زندگی کے ستون کو اسلامی مرکز ثقل سے بہت پرے ہٹا دیا ہے بلا خوف تردید میرا یہ دعویٰ ہے کہ دنیا کی کسی قوم نے ایسی اعلیٰ اور قابل تقلید مثالیں اپنے افراد میں پیدا نہیں کیں جیسی ہماری قوم نے کیں لیکن بایں ہمہ ہمارے نوجوان کو

جو اپنی قوم کی سوانح عمری سے بالکل نابلد ہے مغربی تہذیب کے مشاہیر سے استحساناً اور استبداءً رجوع کرنا پڑتا ہے عقلی اور ادراکی لحاظ سے وہ مغربی دنیا کا غلام ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس کی روح اس صحیح القوام خودداری سے خالی ہے جو اپنی قومی تاریخ اور قومی لٹریچر کے مطالعہ سے پیدا ہوتی ہے ہم نے اپنی تعلیمی جدوجہد میں اس حقیقت پر جس کا اعتراف آج تجربہ ہم سے کرا رہا ہے نظر نہیں ڈالی کہ اغیار کے تمدن کو بلا مشارکت احدے اپنا ہر وقت کا رفیق بنائے رکھنا گویا اپنے تئیں اس تمدن کا حلقہ بگوش بنا لینا ہے یہ وہ حلقہ بگوشی ہے جس کے نتائج کسی دوسرے مذہب کے دائرے میں داخل ہونے سے بڑھ کر خطرناک ہیں۔ کسی اسلامی مصنف نے اس حقیقت کو مولانا اکبر الہ آبادی سے زیادہ واضح طور پر بیان نہیں کیا جو نئی نسل کے مسلمانوں کی موجودہ عقلی زندگی پر ایک نظر غائر ڈالنے کے بعد حسرت آفریں لہجے میں پکار اٹھے۔

شیخ مرحوم کا یہ قول مجھے یاد آتا ہے　　دل بدل جائیں گے تعلیم بدل جانے سے

شیخ مرحوم کنایہ ہے۔ ٹھیٹھ اسلامی تہذیب کے اس قدامت انتساب نام لیوا سے جس نے مغربی تعلیم کے بارے میں سرسید احمد خان مرحوم کے ساتھ مدت العمر بڑا جھگڑا کیا۔ آج ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ بیچارے شیخ کا خوف بے بنیاد نہ تھا کیا اب بھی کسی کو اس میں کلام ہے کہ شیخ مرحوم کے قول میں جو سچائی کا شائبہ مضمر ہے اس پر تعلیم کا ماحصل زندہ گواہ ہے مجھے امید ہے کہ ان کی کڑوی کسیلی باتوں کو سننے والے مجھے معاف فرمائیں گے۔ آج کل کی طالب علمانہ زندگی سے چونکہ گذشتہ دس بارہ سال کی مدت میں مجھے سابقہ پڑتا رہا ہے اور میں ایسے مضمون کا درس دیتا رہا ہوں جس کو مذہب سے قریب کا تعلق ہے لہٰذا میں اس بات کا تھوڑا بہت استحقاق رکھتا ہوں کہ میری باتیں سنی جائیں مجھے رہ رہ کر یہ رنج دہ تجربہ ہوا ہے کہ مسلمان طالب علم اپنی قوم کے عمرانی، اخلاقی، اور سیاسی تصورات سے نابلد ہے روحانی طور پر وہ یہ منزلہ ایک بے جان لاش کے ہے اور اگر موجودہ صورت حالات اور بیس سال تک قائم رہی تو وہ اسلامی روح جو قدیم اسلامی تہذیب کے چند علمبرداروں کے فرسودہ قالب میں ابھی تک زندہ ہے ہماری جماعت کے جسم سے بالکل ہی نکل جائے گی اور وہ لوگ جنہوں نے تعلیم کا یہ اصل الاصول قائم کیا تھا کہ ہر مسلمان بچہ کی تعلیم کا آغاز قرآن مجید کی تعلیم سے ہونا چاہیئے وہ ہمارے مقابلہ میں ہماری

قوم کی ماہیت و نوعیت سے زیادہ باخبر تھے۔

"مسلمانوں کو بے شک علوم جدیدہ کی تیز پارفتار کے قدم بہ قدم چلنا چاہیئے مگر یہ بھی ضروری ہے کہ اس کی تہذیب کا رنگ خالص اسلامی ہو اور یہ اس وقت تک ممکن نہیں ہو سکتا جب تک کہ ایک ایسی یونیورسٹی موجود نہ ہو جسے ہم اپنی قومی تعلیم کا مرکز قرار دے سکیں ہم کو سمجھ لینا چاہیئے کہ اگر ہماری قوم کے نوجوانوں کی تعلیمی اٹھان اسلامی نہیں ہے تو ہم اپنی قومیت کے پودے کو اسلام کے آب حیات سے نہیں سینچ رہے ہیں اور اپنی جماعت میں پکے مسلمانوں کا اضافہ نہیں کر رہے ہیں بلکہ ایک ایسا نیا گروہ پیدا کر رہے ہیں جو اتحادی مرکز کے نہ ہونے کی وجہ سے وہ اپنی شخصیت کسی دن کھو بیٹھے گا اور گرد و پیش کی ان قوموں میں سے کسی ایک قوم میں ضم ہو جائے گا جس میں اس کی بہ نسبت زیادہ قوت و جان ہو گی۔[1]"

اقبال عورتوں کی تعلیم کو اس لئے اہم قرار دیتے ہیں کہ عورت تمدن کی جڑ ہے لہٰذا اگر عورت تعلیم یافتہ ہو گی تو وہ معاشرے کو بہترین افراد مہیا کرے گی جو اس کی تربیت کا بہترین نمونہ ہوں گے۔ مگر اقبال کے نزدیک عورتوں کے لئے جو تعلیمی معیار ہے وہ یہ ہے۔

"عمومیات کو چھوڑ کر اگر خصوصیات پر نظر کی جائے تو عورتوں کی تعلیم سب سے زیادہ توجہ کی محتاج ہے۔ عورت حقیقت میں تمدن کی جڑ ہے "ماں" اور "بیوی" دو ایسے پیارے لفظ ہیں کہ تمام مذہبی اور تمدنی نیکیاں ان میں مستتر ہیں۔ اگر ماں کی محبت میں حب وطن اور حب قوم پوشیدہ ہے جس میں سے تمام تمدنی نیکیاں بطور نتیجے کے پیدا ہوتی ہیں تو بیوی کی محبت اس سوز کا آغاز ہے جس کو عشق الٰہی کہتے ہیں پس ہمارے لئے یہ ضروری ہے کہ تمدن کی جڑ کی طرف اپنی توجہ مبذول کریں اور اپنی قوم کی عورتوں کو تعلیم کے زیور سے آراستہ کریں۔ مرد کی تعلیم صرف ایک فرد واحد کی تعلیم ہے مگر عورت

۱۔ ماخوذ از مقالہ ملت بیضا پر ایک عمرانی نظر — از اقبال

کو تعلیم دینا حقیقت میں تمام خاندان کو تعلیم دینا ہے دنیا میں کوئی قوم ترقی نہیں کر سکتی اگر اس قوم کا آدھا حصہ جاہل مطلق رہ جائے لیکن اس ضمن میں ایک غور طلب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا مشرقی عورتوں کو مغربی طریق کے مطابق تعلیم دی جائے یا کوئی ایسی تدبیر اختیار کی جائے جس سے ان کے وہ شریفانہ اطوار جو مشرقی دل و دماغ کے ساتھ خاص ہیں قائم رہیں۔ میں نے اس سوال پر غور و فکر کیا ہے مگر چونکہ اب تک کسی عملی نتیجے پر نہیں پہنچا اس لئے میں فی الحال اس بارے میں کوئی رائے نہیں دے سکتا لہ"

تبصرہ

اقبال مسلمانوں کیلئے جو تعلیم ضروری سمجھتے تھے وہ فرانس، جرمنی، انگلستان اور اٹلی کی یونیورسٹیوں کی اعلیٰ ڈگریاں نہیں تھیں بلکہ وہ اس تعلیم کے حامی تھے جو انسان کو انسان بنا کر اسے انسانیت کے معراج تک پہنچائے۔ اقبال تعلیم کے مخالف نہ تھے انگریزی فرانیسی یا جرمنی زبان یا کسی دوسری زبان سیکھنے کے خلاف نہ تھے بلکہ وہ یورپ کے اس نظریہ تعلیم کے مخالف تھے جس نظریہ تعلیم کے تحت ایک مشرقی بیٹی اپنے باپ کے سامنے عشق و محبت سے بھرے ہوئے ڈائلاگ سے بھری ہوئی نصابی کتاب کے اسباق نہیں پڑھ سکتی جو یورپ کے نظریہ تعلیم کے تحت نصابی کتابوں میں شامل کئے جاتے ہیں۔ اقبال نے اپنے ان خیالات کا اظہار حافظ محمد فضل الرحمٰن انصاری کے نام ۱۶ جولائی ۱۹۳۷ء کو خط لکھتے ہوئے کیا۔ اس خط میں علامہ لکھتے ہیں۔

"جہاں تک اسلامی ریسرچ کا تعلق ہے فرانس جرمنی انگلستان اور اٹلی کی یونیورسٹیوں کے اساتذہ کے مقاصد خاص ہیں جن کو عالمانہ تحقیق اور احقاق حق کے ظاہری طلسم میں چھپایا جاتا ہے۔ سادہ لوح مسلمان طالب علم اس طلسم میں گرفتار ہو کر گمراہ ہو جاتا ہے۔ ان حالات میں آپ کے بلند مقاصد پر نظر رکھتے ہوئے بلا تامل کہہ سکتا

لہ رسالہ مخزن لاہور اکتوبر ۱۹۰۴ء ماخوذ از مضمون قومی زندگی از اقبال

ہوں کہ آپ کے لئے یورپ جانا بے سود ہے ۔

میر کیا سادہ ہیں بیمار ہوئے جسکے سبب　　　اسی عطار کے لڑکے سے دوا لیتے ہیں

مصر جایئے عربی زبان میں مہارت پیدا کیجئے اسلامی علوم ۔ اسلام کی دینی اور سیاسی تاریخ تصوف ۔ فقہ ۔ تفسیر کا بغور مطالعہ کر کے محمد عربی کی اصل روح تک پہنچنے کی کوشش کیجئے پھر اگر ذہن خداداد ہے اور دل میں خدمت اسلام کی تڑپ ہے تو آپ اس تحریک کی بنیاد رکھ سکیں گے ۔ جو اس وقت آپ کے ذہن میں ہے ۔ ہاں یورپ کا فلسفہ پڑھنے کے لئے آپ یورپ کا سفر کر سکتے ہیں اگرچہ مسلمانوں کو موجودہ حالات میں فلسفہ اور لٹریچر کی چنداں ضرورت نہیں اس صورت میں THESIS کے ذریعے ڈگری حاصل کرنا فضول ہے ۔ یورپ کے فلسفے کی مختلف شاخوں کا مطالعہ کر کے ڈگری حاصل کرنا چاہیئے [1] "

ڈاکٹر بیگم [illegible]

علامہ لڑکیوں کی تعلیم کے اسی طرح حامی تھے جس طرح لڑکوں کی تعلیم کے حامی تھے مگر وہ مغربی طرز تعلیم کے مطابق لڑکوں اور لڑکیوں کی مخلوط تعلیم کے مخالف تھے نیز وہ مغربی تعلیم کے مجوزہ نصاب تعلیم کے مخالف تھے وہ مغربی نصاب تعلیم کو انسان کو انسانیت کے درجے تک پہنچانے سے قاصر سمجھتے تھے اسی لئے انہوں نے اپنے اشعار میں جگہ جگہ اس مغربی طرز تعلیم کی مخالفت کی جو صرف مغربی تہذیب کو پروان چڑھا کر انسان کی اخلاقی قدروں کی پامالی کے لئے مرتب کیا گیا ہو ۔ اقبال مسلمان لڑکیوں کو اسلامی تہذیب اور اخلاقی حدود میں رہ کر تعلیم کے حامی تھے ۔ چنانچہ لاہور میں پیسہ اخبار کے مالک مولوی محبوب عالم کی بیٹی فاطمہ بیگم نے مسلمان لڑکیوں کی تعلیم و تربیت کے لئے کئی ادارے قائم کئے مگر مشکل یہ تھی کہ قدم قدم پر انہیں رکاوٹیں پیش آ رہی تھیں کیونکہ مسلمانوں کا معاشرہ لڑکیوں کی تعلیم کو برداشت نہیں کر سکتا تھا لہٰذا فاطمہ بیگم کو اکثر طعنے سننے پڑتے تھے بعض دفعہ وہ لوگوں کے طعنوں سے گھبرا کر علامہ اقبال کی خدمت میں حاضر ہوتیں اور ان سے ہدایات اور مشورے حاصل کرتیں ڈاکٹر صاحب ان کی

---

۱ ۔ اقبال نامہ ص ۳۹۶

ہمت بندھاتے اور ایسی پُر امید باتیں کرتے کہ فاطمہ بیگم کے دل میں حوصلہ پیدا ہو جاتا اور ان کی دل شکستگی، مایوسی میں تبدیل نہ ہونے پاتی۔

ایک بار فاطمہ بیگم علامہ اقبال کے پاس آئیں اور آ کر اپنی مشکلات بیان کرتے ہوئے کہا "میرے راستے میں اس طرح روڑے اٹکائے جا رہے ہیں میں کیا کروں اور سب سے زیادہ دکھ تو اس بات کا ہے کہ میں مسلمان لڑکیوں میں مذہبی تعلیم کا وہ شغف نہیں پاتی جو ان میں فطری طور پر ہونا چاہیئے تھا۔"

ڈاکٹر صاحب نے فاطمہ بیگم سے کہا "آپ مایوس اور دل برداشتہ نہ ہوں اس مذہب کی خوبیاں چالیس سال کی عمر کے بعد ہی سمجھ میں آتی ہیں تمہارا کام تو زمین ہموار کرنا اور اس میں پودا لگانا ہے یہ پودا ایک دن خود بخود تناور درخت بن جائے گا اور پھل لائے گا۔[1]"

[illegible]

علامہ اقبال دنیاوی تعلیم کے ساتھ ساتھ اسلامی تعلیم اور قرآن مجید کی تعلیم کو ضروری قرار دیتے ہیں مرد ہوں یا عورتیں ہوں دونوں پر لازم ہے کہ وہ بحیثیت مسلمان قرآن مجید کی تعلیمات سے ہر حال میں بہرہ ور ہوں۔ علامہ طلبا کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

> "دیکھو تم ہی کو اب یہاں رہنا ہے ہم تو مسافر ہیں۔ یاد رکھو مسلمانوں کے لئے جائے پناہ صرف قرآن کریم ہے زمانے کے ساتھ ضرور چلنا چاہیئے لیکن اپنے دامن کو اس کے بداثرات سے آلودہ نہ ہونے دو میں اس گھر کو صد ہزار تحسین کے قابل سمجھتا ہوں جس گھر سے علی الصبح تلاوت قرآن مجید کی آواز آئے۔ کلام مجید کا صرف مطالعہ ہی نہ کیا کرو بلکہ اس کو سمجھنے کی کوشش کرو۔[2]"

[illegible]

آج کل یہ دنیا عام ہو چکی ہے کہ جب کوئی پریشان خاطر ہوتا ہے یا کوئی غمزدہ ہوتا

۱۔ روزگار فقیر جلد اول ص۹۸ ۲۔ گفتار اقبال ص۲۱۳

ہے تو موسیقی سے اس کے غم کو غلط کرنے کی کوشش کی جاتی ہے یا پھر ریڈیو اور ٹی وی کے ہلکے پھلکے گانوں سے مریض غم کے دل کو بہلایا جاتا ہے مگر اقبال کے نزدیک ذہنی طمانیت روحانی سکون اور دل کے بہلاوے کا واحد علاج قرآن مجید کا پڑھنا یا سننا ہے۔ وہ خود بھی اس پر عمل کرتے تھے اور دوسروں کو بھی اس پر عمل کرنے کی تلقین کیا کرتے تھے "ڈاکٹر صاحب بھوپال تشریف لے گئے اور حسب معمول اپنے دوست راس مسعود کے یہاں قیام فرمایا مرحوم (راس مسعود) ان دنوں بھوپال سٹیٹ میں وزیر تعلیم تھے بیگم راس مسعود کی صحت کو دیکھ کر ڈاکٹر صاحب فکرمند ہوتے انہوں نے ہدایت کی کہ بیگم صاحبہ روزانہ صبح سویرے باغ میں چہل قدمی کیا کریں۔ باغ کی روشوں اور سبزے پر ٹہلیں تازہ اور خوشرنگ پھولوں سے لطف اندوز ہوں، ساتھ ہی کسی خوش الحان قاری کا انتظام کیا جائے جو بیگم صاحبہ کو اس گل گشت کے بعد انہیں سورۂ رحمٰن سنایا کرے۔"

"ڈاکٹر صاحب کی اس ہدایت اور مشورہ کے بعد خوش الحان قاری کی تلاش شروع ہوئی متعدد قاری صاحبان آئے اُن کی قرأت سنی گئی آخر کار ایک قاری کا انتخاب خود ڈاکٹر صاحب نے کیا۔ ڈاکٹر صاحب کی اس ہدایت پر پورا پورا عمل کیا گیا۔" بیگم راس مسعود نے تصدیق کرتے ہوئے کہا "میں ہر روز علی الصبح باغ میں ٹہلنے چلی جاتی اور ایک نہایت ہی خوش الحان قاری مجھے سورۂ رحمٰن سناتے کبھی ایسا بھی ہوتا کہ سورج طلوع بھی نہ ہونے پاتا اور میں پھول چن کر ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں لے کر جاتی۔ پھولوں پر شبنم کے قطرے جھلملاتے ہوتے۔" بیگم راس مسعود کا بچی کے پیدا ہونے تک روزانہ صبح کے وقت یہی معمول رہا[1]۔"

مخلوط تعلیم

علامہ اقبال یورپ کی طرز کے مخلوط طریقہ تعلیم کے سخت مخالف تھے حقیقت بھی یہی ہے کہ اس مخلوط طریقہ تعلیم میں لڑکے اور لڑکیوں میں بے راہ روی کے میل جول بڑھ جاتے ہیں جن سے اخلاقی قدریں پامال ہوتی ہیں۔ جہاں جہاں مخلوط تعلیم رائج ہے

۱۔ روزگار فقیر جلد اول ص ۱۶۲

وہاں اخلاقی قدروں کی بے تحاشا پامالی ہو رہی ہے مخلوط تعلیم کے طریقے میں لڑکے اور لڑکیاں جب باہم اٹھتے بیٹھتے ہیں تو اس نشست و برخاست اور باہمی میل ملاپ کی وجہ سے وہ اسلامی تہذیب کے دائرے سے قطعاً باہر نکل جاتے ہیں اور جو قیود اسلامی معاشرے میں اخلاقی قدروں کو مستحکم کرنے کیلئے مسلمان خواتین پر عائد کی گئی ہیں مخلوط تعلیم ان قیود اور ضوابط کو توڑ دیتی ہے جس کا نتیجہ اخلاقی بے راہ روی اور اخلاقی قدروں کی پامالی ہے۔ صنف نازک کے بارے میں ڈاکٹر صاحب کا یہ نظریہ تھا کہ خواتین کا کام گھروں میں رہ کر نئی نسل کو تربیت دینا ہے کہ اس طرح معاشرے میں اعتدال و سکون قائم رہ سکتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ ڈاکٹر صاحب عورتوں کو شمع انجمن نہیں چراغ خانہ دیکھنا چاہتے تھے۔ ان کے سامنے یورپ کی زندگی تھی کہ عورت نے وہاں جب سے گھریلو ذمہ داری "تدبیر منزل اور خانہ داری" کو خیرباد کیا ہے یورپ کا معاشرہ تباہ و ابتر ہو کر رہ گیا ہے اور گھریلو زندگیاں بے مزہ اور بے سکون ہو گئی ہیں — ایک دن بیگم راس مسعود نے قدرے شکایت کے انداز میں ڈاکٹر صاحب سے کہا کہ مرد خود تو تفریح کرنے اور دل بہلانے کے لئے رقص و سرود کی محفلوں اور کلب گھروں میں چلے جاتے ہیں لیکن بیچاری عورتوں کو چار دیواری میں مقید رہنے کا حکم دیا جاتا ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے نہایت ہی متین لہجے میں کہا۔ میں جو کچھ کہتا ہوں اس میں تمام تر خواتین ہی کا فائدہ ہے۔ سفر افغانستان سے واپسی پر ڈاکٹر صاحب سے مزید دریافت کیا گیا کہ جب قرآن کریم تمام انسانوں کو علم و آگہی حاصل کرنے کی ہدایت کرتا ہے تو پھر لڑکوں اور لڑکیوں کی جدید تعلیمی سہولتوں پر کیوں قدغن لگائی جاتی ہے۔؟

ڈاکٹر صاحب نے اس کے جواب میں فرمایا بے شک قرآن کریم میں حصول علم پر بڑا زور دیا گیا ہے لیکن اس میں یہ کہاں کہا گیا ہے کہ لڑکے اور لڑکیاں ایک مکتب میں مل جل کے تعلیم حاصل کریں۔

پردہ اور مخلوط تعلیم کے بارے میں ڈاکٹر صاحب کے خیالات بڑے واضح تھے اور وہ اپنے اس موقف سے بال برابر ہٹنا نہیں چاہتے تھے۔ انہوں نے اپنی زندگی میں اس کا عملی ثبوت دیا کہ اپنی بچی منیرہ کی تعلیم و تربیت کے لئے بڑی کوشش

اور جدوجہد کے بعد علیگڑھ سے ایک معلمہ بلوائی جس نے گھر میں رہ کر ڈاکٹر صاحب کی بچی کو تعلیم دی۔

ڈاکٹر صاحب منطقی اور فلسفیانہ انداز میں مردوں اور عورتوں کو ایسے مختلف خوش رنگ اور مہکتے پھولوں سے تعبیر کیا کرتے تھے جن کو پروان چڑھانے کے لئے جداگانہ اقسام کی کھاد درکار ہوتی ہے وہ زن و مرد کی ترقی، نشوونما اور تعلیم و تربیت کے لئے جداگانہ میدان عمل کے قائل تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو جسمانی طور پر بھی ایک دوسرے سے مختلف بنایا ہے اور فرائض کے اعتبار سے بھی فولاد اور پھول کی ڈالی سے ایک جیسا کام نہیں لیا جا سکتا۔[1]

عورتوں کی قدامت پسندی

علامہ قدامت پسندی کے سخت ترین مخالف تھے مگر وہ جس قدامت پسندی کے مخالف تھے اس سے مراد وہ قدامت پسندی ہے جو جہالت کا نتیجہ ہو۔ یا اس قدامت پسندی سے مراد علامہ کے نزدیک وہ رسم و رواج تھے جو زمانہ جاہلیت میں لوگوں نے اپنا رکھے تھے۔ علامہ زمانے کے ساتھ ساتھ چلنے کی تلقین کرتے ہوئے مسلمانوں کو یہ احساس بھی دلاتے ہیں کہ جدید تہذیب جہاں بھی اور جب بھی اسلامی شعار سے متصادم ہو وہاں مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ جدید تہذیب کو اپنانے سے پوری طرح گریز کریں۔ آپ ہر اس تہذیب کو جو انسانوں کو درجہ انسانیت سے گراتے یا جو انسانوں کو مذہب سے دور لے جائے یا جو تہذیب انسانوں کو ان کی مذہبی قیود سے نکالنے کا پھندا ثابت ہو اس تہذیب کو انسانیت کے لئے زہر قرار دیتے ہیں ۲۶ فروری ۱۹۲۹ء کو اخبار ٹریبیون کے نمائندے کو انٹرویو دیتے ہوئے علامہ نے فرمایا۔

"اس امر کے یقینی ہونے میں کوئی شبہ نہیں کہ عالم اسلام میں قدامت پسندانہ جذبات اور لبرل خیالات میں جنگ شروع ہو گئی ہے اغلب ہے کہ قدامت پرست اسلام بغیر جدوجہد کے سر تسلیم خم نہیں کرے گا اس لئے ہر ایک ملک کے مصلحین کو چاہیئے کہ نہ صرف اسلام کی حقیقی روایات کو غور کی نگاہ سے دیکھیں

۱۔ روزگار فقیر جلد اول ص ۱۶۵ و ص ۱۶۶

بلکہ جدید تہذیب کی صحیح اندرونی تصویر کا بھی احتیاط سے مطالعہ کریں جو بے شمار حالتوں میں اسلامی تہذیب کی مزید ترقی کا درجہ رکھتی ہے۔ جو چیزیں فی الحقیقت قابل لحاظ ہیں۔ یہ امر صحیح نہیں کہ مجلس معاملات میں قدامت پسندانہ طاقتوں کو بالکل نظر انداز کر دیا جاتے کیونکہ انسانی زندگی اپنی اصلی روایات کا بوجھ کندھوں پر اٹھا کر ارتقائی منزل طے کرتی ہے۔ انسان نے اپنی معاشرتی تہذیب کو تشکیل دینے کا سبق حال ہی میں سیکھا ہے اس لئے جائز حدود سے تجاوز نہیں کرنا چاہیئے۔"[1]

انسانی زندگی کے ارتقائی منازل میں جدید تہذیب کی جو باتیں مذہب سے متصادم نہیں ہوتیں یا مذہبی حدود سے تجاوز نہیں کرتیں علامہ اقبال ان باتوں کو اپنانا ضروری سمجھتے ہیں مثلاً انتخابات میں حصہ لینا یا ووٹ کا استعمال جہاں مردوں کے لئے ضروری ہے وہاں عورتوں کو بھی لازم ہے کہ وہ جدید معاشرتی اور تمدنی ضرورتوں کے مطابق انتخابات میں حصہ لیں اور اپنی رائے کا حق استعمال کریں۔ ووٹ کا استعمال چونکہ مذہب سے متصادم نہیں ہے لہٰذا ووٹ کے استعمال نہ کرنے کو علامہ نے قدامت پسندی قرار دیا ہے۔ مثلاً بہرو رپورٹ پر تبصرہ کرتے ہوئے ۲۰ اگست ۱۹۲۸ء کو ایسوسی ایٹڈ پریس کو بیان دیتے ہوئے فرمایا۔

> "مسلمان نابالغ خواتین کو تمام صوبے کی بالغ خواتین میں ۵۵ فیصد کی نسبت حاصل ہے لیکن وہ مقابلتاً غیر تعلیم یافتہ اور بیحد قدامت پسند ہیں۔ اس لئے عرصہ دراز تک ان کا پولنگ سٹیشن پر ووٹ دینے کے لئے جانا محال ہے۔ غیر مسلم خواتین زیادہ ترقی یافتہ ہیں اس لئے وہ زیادہ تعداد میں رائے دینے کے لئے جائیں گی اس لئے مسلمانوں کی نشستوں کی تعداد کو نقصان پہنچے گا۔ گذشتہ انتخاب سے مسلم خواتین کی قدامت پسندی کا ثبوت بہم پہنچ گیا ہے۔"[2]

علامہ کے اس بیان سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ علامہ تعلیم کے حاصل نہ کرنے کو بھی قدامت پسندی قرار دیتے ہیں گویا علامہ کے نزدیک قدامت پسندی کا مفہوم زمانہ جاہلیت کی زندگی یا پھر جہالت کی زندگی ہے۔ جہاں تک تہذیب نو اور اسلامی تہذیب

۱۔ روزنامہ انقلاب لاہور یکم مارچ ۱۹۲۹ ۲۔ روزنامہ انقلاب لاہور ۲۱ اگست ۱۹۲۸ء

کا سوال ہے ان کے متعلق علامہ کا دو ٹوک فیصلہ یہ ہے کہ نئی تہذیب جو اسلامی تہذیب اور اسلامی اصولوں سے متصادم ہو اسے اپنا ناسراسر تباہی و بربادی ہے۔ آپ نئی تہذیب کو قوم کیلئے زہر قرار دیتے ہیں اور مسلمان قوم کو یہ احساس دلاتے ہیں کہ نئی تہذیب کے شکاری انسانیت کے دائرے سے دور ہوتے جا رہے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں۔

فریب تہذیب نو میں آکر جنہوں نے اپنا شعار چھوڑا
جہاں کی راہ گذر میں پامال صورت نقش پا رہے ہیں

عورت اور اسلامی تاریخ

اقبال فرماتے ہیں کہ جب میں اٹلی گیا تو مجھے ایک شخص پرنس کیتانی ملا وہ اسلامی تاریخ کا بہت دلدادہ ہے اس نے تاریخ پر اتنی کتابیں لکھی ہیں اور اس قدر روپیہ صرف کیا ہے کہ کوئی اسلامی سلطنت اس کے ترجمے کا بندوبست بھی نہیں کر سکتی اس نے لاکھوں روپیہ صرف کر کے تاریخی مواد جمع کیا ہے جب میں نے ان سے پوچھا کہ آپ کو اسلامی تاریخ سے دلچسپی کیوں ہے تو انہوں نے کہا کہ اسلامی تاریخ عورتوں کو مرد بنا دیتی ہے۔[۱]

عورت اور سوز قرأت

علامہ اقبال مسلمان عورتوں کو ماضی کی بلند کردار مسلمان خواتین کی طرح بلند کردار اور صالح عمل اور بلند حوصلہ بننے کی تلقین کرتے ہیں۔ اپنی تصنیف ارمغان حجاز میں فرماتے ہیں ؎

زشام ما برون آور سحر را — بہ قرآں باز خواں اہل نظر را
تو مے دانی کہ سوز قرأت تو — دگرگوں کرد تقدیر عمرؓ را

اس رباعی میں علامہ مسلمان خواتین سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ "اے دختر ہماری قوم پر شام کا سایہ پڑ رہا ہے تو ہماری اس شام سے ایک نئی صبح پیدا کر تو ایک دفعہ پھر اہل نظر کو قرآن کے مفہوم سے آشنا کر کیونکہ تو ہی وہ ذات ہے جس کے

۱۔ گفتار اقبال ص ۱۵۴

سوز قرأت نے عمرؓ کی تقدیر کو پلٹ کر رکھ دیا تھا۔" اس رباعی میں ایک بہت بڑی داستان پوشیدہ ہے وہ داستان حضرت عمرؓ کے اسلام قبول کرنے کی ہے جو تاریخ اسلام میں ایک اہم واقعہ ہے اس واقعہ کو سامنے رکھ کر کہا جا سکتا ہے کہ حضرت عمرؓ کے سخت دل کو اسلام کی طرف مائل کرنے والی اگر کوئی طاقت تھی تو وہ عورت ہی تھی یہ واقعہ مولانا شبلی کے الفاظ میں بیان کیا جاتا ہے۔

"حضرت عمر کا ستائیسواں سال تھا کہ عرب میں آفتاب رسالت طلوع ہوا یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور اسلام کی صدا بلند ہوئی۔ حضرت عمر کے گھرانے میں زید کی وجہ سے توحید کی آواز بالکل غیر مانوس نہیں رہی تھی چنانچہ سب سے پہلے زید کے بیٹے سعید اسلام لائے سعید کا نکاح حضرت عمر کی بہن فاطمہ سے ہوا تھا۔ اس تعلق سے فاطمہ بھی مسلمان ہوگئیں۔ اسی خاندان میں ایک اور معزز شخص نعیم بن عبداللہ نے بھی اسلام قبول کر لیا تھا لیکن حضرت عمر ابھی تک اسلام سے بالکل بیگانہ تھے ان کے کانوں میں جب یہ صدا پہنچی تو سخت برہم ہوئے یہاں تک کہ قبیلے میں جو لوگ اسلام لا چکے تھے ان کے دشمن بن گئے لبینہ ان کے خاندان میں ایک کنیز تھی جس نے اسلام قبول کر لیا تھا اس کو بے تحاشا مارتے اور مارتے مارتے تھک جاتے تو کہتے ذرا دم لے لوں تو پھر ماروں گا۔ لبینہ کے سوا اور جس پر قابو چلتا زدوکوب سے دریغ نہیں کرتے تھے لیکن اسلام کا نشہ ایسا تھا کہ جس کو چڑھ جاتا تھا اترتا نہ تھا۔ ان تمام سختیوں کے باوجود ایک شخص کو بھی اسلام کے بدلنے پر مائل نہ کر سکے۔ آخر مجبور ہو کر فیصلہ کیا کہ (نعوذ باللہ) خود بانی اسلام کا قصہ پاک کر دیں۔ تلوار کمر سے لگا کر سیدھے رسول اللہ صلعم کی طرف چلے بکار کنان قضا نے کہا۔

آمد آں یارے کہ ما می خواستیم

راہ میں اتفاقاً نعیم بن عبداللہ مل گئے۔ انہوں نے تیور دیکھ کر پوچھا خیر ہے؟ بولے کہ محمدؐ کا فیصلہ کرنے جاتا ہوں انہوں نے کہا کہ پہلے اپنے گھر کی خبر لو۔ خود تمہاری بہن اور بہنوئی اسلام لا چکے ہیں۔ فوراً پلٹے اور بہن کے ہاں پہنچے۔ وہ قرآن پڑھ رہی تھیں۔ ان کی آہٹ پا کر چپ ہوگئیں اور قرآن کے اجزا چھپا لئے لیکن آواز ان کے

کان میں پڑ چکی تھی۔ بہن سے پوچھا یہ کیا آواز تھی؟ بہن نے کہا کچھ نہیں، بولے کہ میں سن چکا ہوں کہ تم دونوں مرتد ہو گئے ہو۔ یہ کہہ کر بہنوئی سے دست و گریبان ہو گئے اور جب ان کی بہن بچانے آئیں تو ان کو اتنا مارا کہ ان کا بدن لہو لہان ہو گیا۔ اسی حالت میں ان کی زبان سے نکلا "عمرؓ جو بن آئے کرو لیکن اسلام اب دل سے نہیں نکل سکتا"۔ ان الفاظ نے حضرت عمر کے دل پر ایک خاص اثر کیا۔ بہن کی طرف محبت کی نگاہ سے دیکھا اس کے بدن سے خون جاری تھا۔ یہ دیکھ کر اور بھی رقت طاری ہوئی کہا کہ تم لوگ جو کچھ پڑھ رہے تھے مجھے بھی سناؤ۔ فاطمہ قرآن کے اجزا اٹھا لائیں اور یہ سورت پڑھنی شروع کی۔

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ

ایک ایک آیت پر ان کا دل مرعوب ہوتا تھا یہاں تک کہ جب اس آیت پر پہنچے آمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ تو بے اختیار پکار اٹھے "اَشهد ان لا اله الا الله و اشهد ان محمد رسول الله"۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارقم کے مکان میں جو کوہ صفا کی تلی میں واقع تھا پناہ گزین تھے۔ حضرت عمر نے آستانہ مبارک پر پہنچ کر دستک دی چونکہ شمشیر بکف تھے اور اس تازہ واقعہ سے کسی کو اطلاع نہ تھی اس لئے صحابہ کو تردد تھا لیکن حضرت امیر حمزہ نے کہا آنے دو مخلصانہ آیا ہے تو بہتر ورنہ اس کی تلوار سے اس کا سر تسلیم قلم کر دیا جائے گا۔ حضرت عمر نے اندر قدم رکھا تو رسول اللہ صلعم خود آگے بڑھے اور ان کا دامن پکڑ کر فرمایا کیوں عمرؓ! کس ارادہ سے آیا ہے؟ نبوت کی پر رعب آواز نے انہیں کپ کپا دیا۔ نہایت خضوع کے ساتھ عرض کیا کہ ایمان لانے کیلئے۔ آں حضرت بے ساختہ اللہ اکبر پکار اُٹھے اور ساتھ ہی صحابہ نے مل کر اس زور سے اللہ اکبر کا نعرہ مارا کہ مکہ کی تمام پہاڑیاں گونج اٹھیں۔

حضرت عمرؓ کے ایمان لانے سے اسلام کی تاریخ میں نیا دور شروع ہوا۔ اس وقت اگرچہ چالیس پچاس آدمی اسلام لا چکے تھے اور عرب کے مشہور بہادر امیر حمزہ سید الشہدا نے بھی اسلام قبول کر لیا تھا تاہم مسلمان اپنے فرائض مذہبی علانیہ ادا نہیں کر سکتے تھے اور کعبہ میں نماز پڑھنا تو بالکل ناممکن تھا حضرت عمر کے اسلام لانیکے ساتھ "دفعتہً" یہ حالت بدل گئی انہوں نے علانیہ اپنا اسلام ظاہر کیا کافروں نے اول اول ان پر بڑی شدت کی لیکن

وہ برابر ثابت قدمی سے مقابلہ کرتے رہے یہاں تک کہ مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ کعبہ میں جا کر نماز ادا کی گئی۔[1]"

یہ تھا وہ سنہری کارنامہ جو عورت کے سوز قرأت کا نتیجہ تھا جو اسلام کی سربلندی کا باعث بنا اور جس نے حضرت عمر کی تقدیر کو بدل کر رکھ دیا تھا۔

عورتوں کی تعلیم

علامہ اقبال کی سب سے بڑی آرزو اسلام کی خدمت تھی وہ اسی جذبے کے تحت مسلمانوں کو مغربی تہذیب کے اثر سے بچانے کی جدوجہد کرتے رہے آپ مغربی نظام تعلیم کو اخلاقی تباہی کا ذمہ دار گردانتے ہوئے مسلمانوں کو اس کے اثر سے بچانا چاہتے تھے۔ مسلمان عورتوں کے لئے تو اقبال کا نظریۂ تعلیم یہ تھا کہ عورتوں کے لئے ان کے فرائض اور ان کی ذمہ داریوں کے مطابق نصاب تعلیم مرتب کیا جائے نیز عورتوں کو اس قسم کی تعلیم دی جائے جو انہیں نسوانی فرائض کو احسن طریقے سے سرانجام دینے کے قابل بنائے۔ ۱۷ فروری ۱۹۱۲ کو انجمن حمایت اسلام کے ایک اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے آپ نے فرمایا "انجمن کو چاہیئے کہ وہ عورتوں کی تعلیم پر خصوصی توجہ دے۔ انجمن نے علامہ کی تجویز پر عورتوں کی تعلیم کے لئے ایک جامع پروگرام مرتب کرنے کے لئے ایک کمیٹی بنائی اس کمیٹی کے بارہ ممبر تھے جن میں اہم ممبر علامہ اقبال خود تھے۔ کمیٹی کے ذمے یہ کام سونپا گیا کہ وہ عورتوں کی تعلیم کے لئے مختلف پہلوؤں پر جائزہ لے کر ایک مفید اور مؤثر سکیم پیش کرے کہ کس طرح عورتوں کی تعلیم کو بلند کیا جا سکے۔[2]

علامہ اقبال چاہتے تھے کہ مسلمان عورتیں جو مسلمان قوم کی تعمیر اور تشکیل میں اہم کردار ادا کرتی ہیں ان کا الگ نصاب تعلیم الگ تعلیمی ادارے اور الگ یونیورسٹی ہو تاکہ وہ مخصوص نسوانی ماحول میں مخصوص نصاب تعلیم کے ذریعے تعلیم حاصل کر کے مسلمان قوم کی تعمیر اور تشکیل میں زیادہ مؤثر کردار ادا کر سکیں۔ کیونکہ مغربی نظریہ تعلیم اور نصاب تعلیم کی وجہ سے مسلمان عورتوں میں ظاہری نمود و نمائش کا رجحان بڑھتا جا رہا ہے وہ بلا سوچے سمجھے مغربی تہذیب کی نقالی کرتی جا رہی ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ عورتوں میں

۱۔ الفاروق ص ۴۳ از مولانا شبلی ۲۔ لائف آف اقبال ص ۱۵۵

غیر اسلامی روایات اور رجحانات پھیل رہے ہیں جو اسلامی کلچر اور معاشرت کو تباہ و برباد کئے جا رہے ہیں ایسی عورتوں سے اقبال کو یہ امید نہ تھی کہ ان کی گود میں قوم کے لئے بہترین افراد پرورش پا سکیں گے۔ اقبال کے نزدیک قوموں کے بننے اور بگڑنے میں عورتوں کا بڑا ہاتھ ہے اس لئے اقبال قوم کی اصلاح اور بلند اخلاق افراد پیدا کرنے کے لئے عورتوں کو اسلامی روایات کا پابند بنانا چاہتے ہیں۔ تاکہ مسلمان قوم اپنا کھویا ہوا وقار حاصل کر سکے اقبال کے انہی تعلیمی نظریات کی تکمیل کے لئے جنوری ۱۹۴۴ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس میں ایک تعلیمی کمیٹی بنائی گئی تھی تاکہ مجوزہ پاکستان کے لئے تعلیمی سفارشات پیش کرے اس کمیٹی کے ذمے جو اہم کام سونپا گیا تھا وہ عورتوں کی تعلیم کے لئے خاص سفارشات کو پیش کرنا تھا کمیٹی کے کنوینر ایک ماہر تعلیم ڈاکٹر محمد افضال حسین قادری تھے[1]۔ اس کمیٹی نے ایک تعلیمی سوالنامہ جاری کیا تھا جس میں بہت ہی مفید اندراجات تھے کمیٹی نے اگرچہ اپنی تعلیمی سفارشات مسلم لیگ کو ۱۹۴۵ء میں پیش کر دی تھیں مگر یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ ان سفارشات پر پاکستان کے قیام کے بعد عمل درآمد کیوں نہیں ہوا۔

مسلمان لڑکیوں کے لئے الگ تعلیم

اقبال نہ صرف مسلمان لڑکیوں کے لئے الگ نصاب تعلیم کے حامی و داعی تھے بلکہ وہ یہ چاہتے تھے کہ عورتوں کے لئے الگ تعلیمی ادارے۔ الگ نصاب تعلیم اور الگ یونیورسٹی ہو جہاں اسلامی اقدار کے مطابق عورتیں تعلیم حاصل کر سکیں۔ اسی نظریئے کے تحت اقبال نے انجمن حمایت اسلام کا صدر منتخب ہونے پر انجمن کو متوجہ کرتے ہوئے کہا۔

"دوسرا امر جو آپ کی فوری توجہ کا محتاج ہے وہ مسلمان لڑکیوں کی تعلیم ہے آپ کو معلوم ہے کہ مسلمانوں کا متوسط طبقہ اب کافی بیدار ہو چکا ہے اور اس بات کا مطالبہ کر رہا ہے کہ ان کی اولاد کی صحیح اسلامی اصولوں کے مطابق تعلیم و تربیت کی جائے میری ذاتی رائے تو یہ ہے کہ انجمن حمایت اسلام فی الحال مسلمان لڑکیوں کی تعلیم کے لئے اپنا نصاب تجویز

۱۔ ہفت روزہ منشور دہلی مئی ۱۹۴۴ء

کرے اور مجوزہ نصاب کے مطابق ان کا سالانہ امتحان لے کر خود ہی سندات تقسیم کرے۔ جہاں تک لڑکیوں کی تعلیم کا تعلق ہے فی الحال آپ صرف ایک امتحان لینے والے ادارے کے طور پر کام شروع کر دیں اور رفتہ رفتہ اسی ادارے کو مسلمان عورتوں کی ایک آزاد یونیورسٹی کی صورت میں منتقل کر دیں بلکہ آپ کا مجوزہ انڈسٹریل گرلز سکول بھی یونیورسٹی کی ایک شاخ قرار پائے۔"[1]

علم و فن کی تقلید

جہاں ہماری نئی نسل کے نوجوان مردوں نے لباس، وضع قطع اور بود و باش میں اہل مغرب کی تقلید شروع کر دی ہے وہاں ہمارے مردوں کی بے حسی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ہماری مسلمان عورتوں نے اور خاص کر نئی نسل کی جوان لڑکیوں نے فیشن پرستی میں اندھا دھند مغربی عورتوں کی نقالی شروع کر دی ہے آج ہماری عورتوں کے بال وگوں کی صورتوں میں بازاروں میں فروخت ہو رہے ہیں نت نئے فیشنوں نے کئی گھروں کو مالی پریشانیوں میں مبتلا کر دیا ہے یہ نوجوان لڑکیاں یہ سمجھتی ہیں کہ مغرب نے جو ترقی کی ہے ہم کیوں نہ ترقی کی اسی راہ پر گامزن ہوں۔ علامہ اقبال جاوید نامہ میں فرماتے ہیں۔

قوت مغرب نہ از چنگ و رباب — نہ ز رقص دختران بے حجاب
نے ز سحر ساحران لالہ روست — نے ز عریاں ساق و نے از قطع موست
قوت افرنگ از علم و فن است — از ہمیں آتش چراغش روشن است!!

ان اشعار میں علامہ یہ درس دیتے ہیں کہ اہل مغرب کی ترقی عیش و عشرت کی محفلوں کے سجانے چنگ و رباب یا بے پردہ لڑکیوں کے رقص یا عورتوں کی فیشن پرستی پر یا لباس کی وضع قطع اور بال کٹوانے پر یا پنڈلیوں کے ننگا رکھنے پر منحصر نہیں ہے بلکہ اہل مغرب کی ترقی کا راز حصول علم و فن میں ہے اسی علم و فن نے انکی ترقی کی شمع کو روشن کر رکھا ہے۔ اہل مشرق کو فیشن پرستی میں نقالی کی بجائے علم و فن میں انکی تقلید کرنا چاہیئے تاکہ وہ علم و فن حاصل کر کے اپنے ملک کو ترقی کے راستے پر پہنچا سکیں۔

۱۔ مقالات اقبال ص ۳۱۴

باب ۵

اقبال اور امومت

- ماں کا تقدس
- ماں اور احساس مسرّت
- ماں کی اہمیّت
- مخدرات اسلام سے خطاب
- مسلمان عورتوں کے لئے بہترین نمونہ
- سیرت بنت رسولؐ حضرت بیدہ فاطمۃ الزہراؑ
- دوشیزہ نبیہ
- ماں کی یاد
- انگلستان کی عورتوں کو پیغام
- ضبط تولید

ماں کی تربیت

ماں ہی وہ مقدس ہستی ہے جس کی تربیّت اور پرورش اولاد کو قابل اور بلند کردار بناتی ہے وہ ماں جو حسن سیرت کا مجسمہ ہو وہ اپنی اولاد کو بھی حسن سیرت کے سانچے میں ڈھال کر اس اولاد کو قوم کے لئے سرمایہ فخر بنا دیتی ہے اقبال فرماتے ہیں ؎

مرا داد این خرد پرور جنونے ـــــ نگاہ مادرِ پاک اندرونے
زمکتب چشم و دل نتواں گرفتن ـــــ کہ مکتب نیست جز سحر و فسونے

یعنی مجھ میں اسلام اور قوم سے محبّت کا جو فطری جذبہ موجزن ہے یہ میری پاک طینت ماں کی تربیت کا نتیجہ ہے۔ یہ بلند و برتر نعمت نہ تو سکولوں کی تعلیم سے حاصل ہوتی ہے اور نہ کالجوں کی تعلیم یا ڈگریوں سے حاصل ہوتی ہے۔ موجودہ کالج اور تعلیمی ادارے تو محض جادو منتر کے شعبدوں سے زیادہ کوئی وقعت نہیں رکھتے۔

اسلام اور عورت

اسلام نے ماں کو عظیم مرتبہ دیا ہے۔ فطرت نے بھی ماں کو بقائے نوع انسانی کا سبب بنا کر پیدا کیا۔ اقبال نے اپنے کلام میں، تحریروں میں اور اپنی بیاض میں ماں کو ایک عظیم ہستی قرار دیا ہے۔ آپ اپنی بیاض میں " شاعر بحیثیت انسان " کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں۔

" میرے عزیز دوست ادھر آ! تو مجھے صرف ایک تجریدی مفکر اور بلند مقاصد کے خواب دیکھنے والے کی حیثیت سے جانتا ہے۔ آ اور مجھے اپنے گھر میں بچوں کے ساتھ کھیلنے اور باری باری ان کی سواری کا گھوڑا بنتے دیکھ۔ مجھے اپنے گھر والوں کے درمیان اپنی بوڑھی ماں کے قدموں میں لیٹا ہوا دیکھ۔ وہ ماں جس کے حیات بخش ہاتھوں کا لمس وقت کے طوفانی دھارے کا رخ پلٹ دیتا ہے اور مجھے فلسفہ و حکمت کی سر مغزیوں کے باوجود دوبارہ ایک طفل مکتب کا سا احساس مسرت عطا کرتا ہے یہاں تو مجھے ایک انسان کے روپ میں دیکھ سکے گا۔[۱]"

۱۔ شذرات فکر اقبال ص ۱۵۸

ماں کی عظمت

جہاں را محکمے از امہات است — نہاد شاں امیں ممکنات است
اگر ایں نکتہ را قومے نداند — نظام کاروبارش بے ثبات است

ان اشعار میں علامہ اقبال دنیا کے وجود۔ استقلال اور مضبوطی کا دارو مدار ماں کو قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ دنیا کا استقلال اور مضبوطی صرف ماؤں کے وجود سے ہی قائم ہے۔ یہ مائیں ہی ہیں جن کی فطرت ممکنات زندگی کی امانت دار ہیں جو قوم اس نکتے کو سمجھنے سے قاصر ہے اس کا تمام نظام کاربیکار اور بے ثبات ہے۔"

علامہ اقبال ان اشعار میں ان لوگوں کو ان قوموں کو عورتوں کی اہمیت کا حقیقی احساس دلاتے ہیں جو عورتوں کو محض تفریح طبع کا ذریعہ سمجھ کر انہیں ایک حقیر طبقہ خیال کرتے ہیں اور ان کے ساتھ عدم مساوات کا سلوک کرتے ہیں۔"

پھر فرماتے ہیں

خنک آں ملتے کز وارداتش — قیامت ہا بہ بیند کائناتش
چہ پیش آید چہ پیش افتاد اورا — تواں دید از جبین امہاتش

"یعنی کتنی خوش قسمت ہے وہ قوم جس کی زندگی کی کائنات عورتوں کی خدمت اور کارگزاری سے قیامت کی طرح کی بیداریاں پیدا کرے۔ اگر یہ معلوم کرنا ہو کہ اس قوم پر کیا کچھ گذری اور آئندہ اس پر کیا کچھ گزرنے والا ہے یا اس کی تقدیر میں کیا ہے یہ سب کچھ اس قوم کی ماؤں کی پیشانی دیکھ کر معلوم کیا جا سکتا ہے۔"

گویا اقبال کے نزدیک ماں ہی قوموں کی تقدیر ساز اور تاریخ ساز ہے ماں ہی وہ مقدس ذات ہے جس پر نسل انسانی کی بقاء کا انحصار ہے۔ ماں بچوں کی تربیت پرورش اور پیدائش کے سلسلے میں جو دکھ اور تکلیفیں اٹھاتی ہے اور پھر جس محبت اور شفقت کا ان بچوں سے اظہار کرتی ہے اس سے ماں کی ممتا اور اس کی عظمت کا اظہار ہوتا ہے حقیقت یہ ہے کہ زندگی کا منصوبہ ماں ہی کے ذریعے ارتقائی منازل طے کرتا ہے۔ دنیا کے ہر دور میں عورت کے ظاہری حسن و جمال کی قدر محض اس لئے کی گئی کہ عورت کو صرف تفریح طبع کا ایک کھلونا سمجھا جاتا تھا اس کے حقیقی جوہروں اور اس کی عفت

ایثار اور اس کی مامتا کے جذبے کی قدر و قیمت نہیں پہچانی جاتی تھی قبل از اسلام تو عورت کو نہایت ہی حقیر نظروں سے دیکھا جاتا تھا۔ ظہور اسلام کے بعد اسلام نے عورتوں کو وہ حقوق دیئے جو دنیا کا کوئی مذہب انہیں نہ دے سکا۔ اکثر تہذیبوں نے عورت پر مختلف قسم کے ستم روا رکھے۔ فرانس کے قدیم اصلی باشندوں کے نزدیک عورت کو نہایت ہی ذلیل اور پست خیال کیا جاتا تھا عورت کی موت اور زیست مرد کے ہاتھ میں تھی مرد جب چاہتا تھا عورت کو طلاق دے دیتا تھا۔ اسی فرانس میں بعض جگہوں پر عورتوں کی اسباب تجارت کی طرح خرید و فروخت ہوتی تھی۔ افریقہ میں بھی عورتوں کو تجارتی سامان کی طرح فروخت کیا جاتا تھا۔ جاپان میں عورتوں سے گھر کے کام کاج کے علاوہ سخت ترین مشقت کا کام لیا جاتا تھا جب کسی عورت کی شادی ہوتی تھی تو اس کا نقاب ایک صندوق میں بند کر کے رکھ دیا جاتا تھا اور جب وہ فوت ہو جاتی تو یہی نقاب اس کے کفن کے کام آتا تھا۔ کوہ قاف کی عورتیں ایک عرصے تک فروخت ہوتی رہیں یہاں کی عورتوں کو خرید کر ایک عرصے تک ترک حکمرانوں کے حرم میں داخل کیا جاتا تھا۔ روس کے علاقے کریمیا میں شادی کے موقع پر عورت کو گھسیٹ کر خاوند کے گھر کے اندر داخل کیا جاتا تھا۔ قبل از اسلام عرب میں عورتوں کی کوئی قدر و منزلت نہ تھی انہیں صرف مردوں کے جذبات کی تسکین کا ذریعہ سمجھا جاتا تھا غرض یہ کہ عیسائیت یہودیت۔ ہندیت اور دوسری کئی تہذیبوں میں عورت محض ایک غلامانہ حیثیت رکھتی تھی اس کی کوئی بھی وقعت نہ تھی۔ یونان نے اگرچہ علم اور فلسفہ میں بہت ترقی کی مگر اس تہذیب میں بھی عورت کی کوئی حیثیت نہ تھی ایران میں بھی عورتوں کی حیثیت محض ایک کنیز کی تھی۔ ہندوستان میں ہندو تہذیب میں عورت کو خاوند کے مرنے کی صورت میں زندہ جلنے کی پابندی تھی۔ مغربی تہذیب میں عورت بچپن میں باپ کے نام سے جوانی میں شوہر کے نام سے منسوب رہی وراثت میں تو درکنار خود اس کی کمائی میں بھی وہ حصے کی حقدار نہ تھی۔ عیسائیت میں عورت کو ایک برائی سمجھا جاتا تھا۔ بلکہ اخلاق کے منہدم کرنے میں سب سے زیادہ سبب عورت کا وجود سمجھا جاتا تھا۔ مصر اور یونان کے دور تہذیب میں بڑے گھرانوں کی عورتوں کو کچھ آزادیاں حاصل تھیں مگر قانون اور معاشرے میں ان کو ایک فرد کی حیثیت سے کبھی بھی تسلیم نہیں کیا گیا

نہ ہی انہیں وراثت کا حقدار سمجھا جاتا تھا اور نہ ہی انہیں عدالت میں شہادت کا اہل سمجھا جاتا تھا قبل از اسلام اگرچہ مجبوبہ کے گیت گائے جاتے تھے مگر عملی طور پر اسے مرد کی جائیداد سمجھا جاتا تھا یا پھر عورت ایک ہستی تھی جسے باپ اپنے لئے عار تصور کرتا تھا جدید مغربی تہذیب نے عورت کو اس کے فطری اور حقیقی جوہر سے محروم کرنے کے پورے پورے حربے اختیار کر کے عورت کو اس کے مقدس مقام سے ہٹانے کی ہر ممکن کوشش شروع کر دی جس کا پہلا وار عورت کی ممتا کے جذبے کو ختم کرنا ہے۔ چنانچہ مغربی تہذیب سے متاثر عورتوں میں ماں بننے کی صلاحیتیں ختم ہو رہی ہیں۔

اقبال اور ضبط تولید

اقبال کے نزدیک برتھ کنٹرول یا ضبط تولید کا طریقہ عورتوں کی صحت اور مسرت کیلئے نقصان دہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جس طرح درخت کی زینت تازہ بتازہ پھل سے ہوتی ہے اسی طرح عورت کی خوشی مسرت اور عزت اور تروتازگی بچوں کی پیدائش سے ہوتی ہے۔ قدرت نے دنیا کو آباد رکھنے کا یہ قانون بنایا ہے کہ انسانی نسل پھلتی پھولتی رہے پہلی نسلیں فنا ہوتی جائیں اور انکی جگہ نئی نسل لیتی جائے۔ اس لحاظ سے ضبط تولید کا طریقہ ایک غیر فطری اور نظام کائنات کے اصول کے خلاف ہے۔ اقبال ضرب کلیم میں فرماتے ہیں۔

کوئی پوچھے حکیم یورپ سے — ہند و یونان ہیں جس کے حلقہ بگوش
کیا یہی ہے معاشرت کا کمال — مرد بے کار و زن تہی آغوش

فرنگی تہذیب کو امت کے جذبے کے لئے زہر قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

تہذیب فرنگی ہے اگر مرگ امومت — ہے حضرت انساں کیلئے اس کا ثمر موت
جس علم کی تاثیر سے زن ہوتی ہے نازن — کہتے ہیں اس علم کو ارباب نظر موت
بیگانہ رہے دیں سے اگر مدرسہ زن — ہے عشق و محبت کیلئے علم و ہنر موت

یورپ کی تہذیب یہ ہے کہ عورت میں ماں بننے اور بچہ پیدا کرنے کا جذبہ فنا ہو جائے یہ تہذیب انسانی زندگی کے لئے موت کا پھل ہے یہ سب کچھ مغربی نظریہ تعلیم کی بدولت ہے لہٰذا وہ علم جس کے سیکھنے سے عورت اپنے حقیقی جوہر فنا کر بیٹھے اور جس کے سیکھنے سے

عورت میں عورت پن نہ رہے ایسا علم عقلمندوں اور اہل نظر کیلئے موت ہے مطلب یہ ہے کہ وہ مغربی علم جو عورت کو اس کے مقام سے گرا کر اس کے قدرتی اور فطری جوہروں سے اسے محروم کر دے وہ علم تو عورت کے لئے سراسر موت کا پیغام ہے۔ اسی طرح اگر عورت کی تربیت گاہ اسلامی تہذیب سے محروم ہو تو اس صورت میں عورت جو بھی علم و ہنر سیکھے گی وہ عشق و محبت کے لئے موت کا پیغام ہو گا مغرب کی تہذیب کے ضبط تولید کے عیب کو اب خود مغرب کے مفکرین بھی عیب تسلیم کرتے ہیں چنانچہ امریکہ کا ایک ممتاز سائنسدان اور حکیم "الیکسل کارل" انسان نامعلوم" میں جدید تہذیب کے اس رجحان کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

"جن عورتوں کے بچہ نہیں ہوتا ان کا ذہن حقیقی طور پر متوازن نہیں ہوتا ایسی عورتیں دوسری عورتوں کی نسبت بہت جلد پریشان اور بدحواس "نروس" ہو جاتی ہیں۔ دراصل عورت کی زندگی میں تولیدگی کو جو اہمیت حاصل ہے اس کو اب تک تسلیم نہیں کیا گیا یہ عمل اس کی شخصیت و کردار کی نشوونما کے لئے قطعی ناگزیر ہے اس کے بغیر اس کی تکمیل ممکن نہیں۔ لہٰذا عورتوں کو امومت (ماں بننے) کے خلاف ترغیب دینا پرلے درجے کی حماقت ہے۔ نوجوان لڑکیوں کو ویسی ہی ذہنی اور جسمانی تربیت اور ویسی ہی آزادیاں نہیں ملنی چاہئیں جیسی کہ لڑکوں کو دی جاتی ہیں تعلیم دینے والوں کا فرض ہے کہ مرد اور عورت کے ذہنی اور بدنی کوائف میں جو فرق ہے اس کو ملحوظ رکھیں اور اس کے فطری تقاضوں کو سمجھیں۔ دونوں جنسوں کے درمیان کبھی نہ مٹنے والے اختلافات ہیں اور یہ نہایت ضروری ہے کہ مہذب دنیا کی تعمیر نو میں ان کا پورا پورا خیال رکھا جائے۔"[1]

یہی مصنف اسی کتاب میں لکھتا ہے۔

"نسل کی بقا کے لئے صحت مند تولیدگی از بس ضروری ہے لیکن ہمارے ہاں جوں جوں تہذیب بڑھ رہی ہے تولیدگی کا مذاق اور معیار گرتا جا رہا ہے عورتیں شراب اور تمباکو نوشی سے اپنی صحت کو برباد کر رہی ہیں وہ اپنے آپ دبلا پتلا دکھانے کے شوق میں غذا سے پرہیز کی ایک خطرناک راہ پر چل پڑتی ہیں اس پر طرہ یہ کہ بچہ پیدا کرنے سے انکار کر دیتی ہیں یہ عیب ان میں موجودہ تعلیم کی بدولت اور تحریک نسواں کے پھیل

۱۔ انسان نامعلوم ص ۹۲

جانے اور خود غرضی کا رجحان بڑھ جانے سے پیدا ہوا ہے اس کی ذمہ داری معاشی حالات اعصابی عدم توازن، ازدواجی زندگی کے عدم استحکام اور اس اندیشہ پر بھی ہے کہ بچے کہیں کمزور یا بدچلن پیدا نہ ہوں۔ قدیم خاندانوں کی عورتیں جن کے بچے اچھے ہو سکتے ہیں اور جن کی عمدہ غور و پرداخت کے اہل ہیں قریب قریب بانجھ ہو چکی ہیں ان حالات میں جب تک ہمارے انداز فکر اور طرز معاشرت میں بنیادی انقلاب رونما نہیں ہوتا اور ہماری نظروں کے سامنے ایک نصب العین نہیں آجاتا پیدائش کی شرح بہتر ہونے کی کوئی امید نہیں ہے[1]۔"

علامہ اقبال امومت کی اہمیت بیان کرتے ہوئے اسرار و رموز میں فرماتے ہیں۔

نغمہ خیز از زخمۂ زن ساز مرد
از نیازِ او دوبالا نازِ مرد

پوششِ عریانیٔ مرداں زن است
حسن دلجو عشق را پیراہن است

عشقِ حق پروردۂ آغوشِ او
ایں نوا از زخمۂ خاموشِ او

آنکہ نازد بر وجودش کائنات
ذکرِ او فرمود با طیب و صلوٰۃ

مسلمے کو را پرستارے شمرد
بہرہ از حکمتِ قرآں نبرد

نیک اگر بینی امومت رحمت است
زانکہ او را با نبوت نسبت است

شفقتِ او شفقتِ پیغمبر است
سیرتِ اقوام را صورت گر است

از امومت پختہ تر تعمیر ما
در خطِ سیمائے او تقدیرِ ما

ہست اگر فرہنگِ تو معنی رسے
حرفِ امت نکتہ ہا دارد بسے

گفت آں مقصودِ حرفِ کن فکاں
زیرِ پائے امہات آمد جناں

ملت از تکریمِ ارحام است و بس
ورنہ کارِ زندگی خام است و بس

از امومت گرم رفتارِ حیات
از امومت کشفِ اسرارِ حیات

از امومت پیچ و تابِ جوئے ما
موج و گرداب و حبابِ جوئے ما

آں دُخِ رنتاق زادے جاہلے
پست بالاتے سطبرے بدگلے

نا تراشے، پرورشِ نا دادۂ
کم نگاہے، کم زبانے، سادۂ

دل ز آلامِ امومت کردہ خوں
گردِ چشمش حلقہ ہائے نیلگوں

---

[1] انسان نامعلوم ص ۲۹۶ و ص ۳۰۰

ملت ار گیرد ز آغوشش بدست — یک مسلمانِ غیورِ حق پرست
ہستیٔ ما محکم از آلام اوست — صبح ما عالم فروز از شام اوست

وان تہی آغوش نازک پیکرے — خانہ پروردِ نگاہش محشرے
فکر او از تابِ مغرب روشن است — ظاہرش زن باطن او نازن است
بندہائے ملتِ بیضا گسیخت — تا ز چشمش عشوہ ہا حل کردہ ریخت
شوخ چشم و فتنہ زا آزادیش — از حیا نا آشنا آزادیش
علم او بارِ امومت بر نتافت — بر سرِ شامش یکے اختر نتافت

این گل از بستانِ ما نا رستہ بہ
داغش از دامانِ ملت شستہ بہ

لالہ گویاں چو انجم بے شمار — بستہ چشم اندر ظلام روزگار
پا نبردہ از عدم بیروں ہنوز — از سوادِ کیف و کم بیروں ہنوز
مضمر اندر ظلمتِ موجودِ ما — آں تجلی ہائے نا مشہودِ ما
شبنمے بر برگِ گل ننشستۂ — غنچہ ہائے از صبا ناخستۂ
بر دمد ایں لالہ زارِ ممکنات — از خیابانِ ریاضِ امہات
قوم را سرمایۂ اے صاحبِ نظر — نیست از نقد و قماش و سیم و زر
مال او فرزند ہائے تندرست — تر دماغ و سخت کوش و چاق و چست

حافظ رمزِ اخوت مادراں
قوتِ قرآن و ملت مادراں

فارسی نہ جاننے والوں کے لئے اردو زبان میں اقبال کی اس درد بھری نظم کا مفہوم درج کیا جاتا ہے تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ اقبال نے کس طرح دل کی گہرائیوں سے عورت کی وہ حقیقی حمایت کی ہے جس کی عورت صحیح معنوں میں مستحق ہے۔ اقبال اس نظم میں فرماتے ہیں۔

وہ مرد کا باطنی ساز عورت کی مضراب سے ہی نغمہ خیز ہوتا ہے۔ عورت وہ ہستی ہے کہ جب مرد اس کی بارگاہ میں پہنچتا ہے تو عورت کے نیاز سے اس کا ناز دوگنا ہو جاتا ہے

عورت اگر نہ ہوتی یا عورت کا حسنِ دلفریب اور دلجو اور مسرت سے بھری ہوئی نگاہ نہ ہوتی تو مرد بالکل برہنہ اور نامراد رہتا عورت ہی وہ مقدس اور پر عظمت ہستی ہے جس کی پاکیزہ محبت میں انسان عشق حقیقی کی طرف رہنمائی حاصل کرتا ہے۔

وہ ذات پاک جس پر دنیا کو فخر ہے یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انہوں نے بھی یہ فرمایا ہے کہ "میں تمہاری دنیا میں تین چیزوں کی قدر کرتا ہوں خوشبو۔ نماز اور عورت۔ اقبال فرماتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے عورت کو نماز اور خوشبو کے ساتھ یعنی نہایت عزت کے ساتھ ذکر کیا ہے آپ نے فرمایا جنت ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے۔ یعنی جو لوگ عورت کی عزت اور احترام کرتے ہیں ان کی عظمت کا پاس رکھتے ہیں خدا کی ان پر رحمت نازل ہوتی ہے اور ان کا مقام جنت میں ہوگا۔

جو لوگ عورت کو محض ایک باندی یا خادمہ سمجھتے ہیں وہ قرآن کے فرمان سے بالکل بے خبر اور بے بہرہ ہیں۔

اگر حقیقت کی نظروں سے دیکھا جائے تو عورت دنیا میں سراسر باعث رحمت ہے اس لئے بھی عورت کی عظمت نمایاں ہے کہ عورت کا تعلق نبوت سے وابستہ ہے۔ عورتوں کی محبت اور شفقت میں پیغمبرانہ شفقت اور محبت پنہاں ہے عورت ہی وہ ذات ہے جو قوموں کی سیرت کی تعمیر کرتی ہے۔ یہ عورت ہی ہے جس پر نسلوں کی تربیت کا انحصار ہے۔

عورت ہی وہ ذات ہے جس کی وجہ سے ہماری قومی تعمیر کی بنیادیں مضبوط اور مستحکم ہوتی ہیں۔ عورت ہی کی پیشانی کے خط میں ہماری قومی تقدیر پوشیدہ ہے۔

اگر تمہاری لغت میں عورت کا لفظ موجود ہے اور اگر تمہاری لغت یعنی عقل ناقص نہیں بلکہ کامل ہے اور تم عقل و سمجھ کے مالک ہو تو یاد رکھو کہ اس لفظ "ام" کا مفہوم کس قدر وسیع اور دل خوش کن ہے۔ اقبال نے یہ نکتہ بیان کیا ہے کہ علم اللسان کی رو سے امت کا مصدر ام ہے اس لئے امت کا دارومدار دراصل امومت یعنی ماؤں پر ہے کیونکہ مائیں نئی نسل کو جنم دیتی ہیں پھر ان کی تربیت کرتی ہیں اگر مائیں نہ ہوتیں تو زندگی میں یہ روانی اور جوش و خروش کبھی نہ ہوتا اور نہ کوئی امت ہوتی۔

آنحضرت صلعم نے ماں کی حرمت اور عظمت کو مدنظر رکھ کر ہی فرمایا تھا کہ

جنت ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے۔

قوموں کی بڑائی برتری صرف عورتوں کی ہی بدولت ہے اگر مائیں نہ ہوتیں تو زندگی کی چہل پہل کبھی نہ ہوتی اور زندگی کا تمام کاروبار ٹھپ ہو کر رہ جاتا۔

ماں ہی وہ ذات ہے جس کی وجہ سے زندگی رواں دواں ہے ماں ہی وہ ذات ہے جس کی بدولت انسان دنیا کے کشف و اسرار دیکھ سکتا ہے۔

ماں کے ذریعے سے ہی ہماری زندگی کی نہریں پیچ و تاب ہے اور اسی ماں ہی کی بدولت ہماری زندگی کی نہروں میں حباب اور موج و گرداب ہے۔

اقبال فرماتے ہیں "یہ ضروری نہیں کہ ماں صرف وہی ہو سکتی ہے جو فیشن ایبل اور آرائش و زیبائش کا پتلا ہو یا وہ سوشل خاتون ہو۔ اس سلسلے میں نہ تو فیشن ایبل ہونا ضروری ہے نہ ہی سوشل خاتون ہونا ضروری ہے۔ اور نہ ہی اس کا مغربی تہذیب سے واقف ہونا ضروری ہے۔ اقبال فرماتے ہیں اگر ایک جاہل دیہاتی عورت ہو جو پست قد بھی ہو اور موٹی بھی ہو اور شکل و صورت میں بھی کوئی کشش نہ رکھتی ہو۔ اس کی تعلیم و تربیت بھی صحیح طریقے سے نہیں ہوئی وہ کم زبان ہے اس کی نگاہیں شرمیلی ہیں۔ ماں بننے کی تکلیف نے اس کے دل کو خون کر دیا ہے اس کی آنکھوں کے اردگرد کمزوری اور نکاہت کی وجہ سے نیلگوں دائرے سے پڑ گئے ہیں۔ اس قسم کی لڑکی کی آغوش سے قوم کو ایک غیرت مند اور حق پرست فرزند عطا ہو جو ایک اعلیٰ مسلمان کی شان رکھتا ہو اگر اس لڑکی سے ایسا فرزند قوم کو مل جائے تو یہ سمجھو کہ اس نے ہماری قوم پر بہت بڑا احسان کیا ہے کیونکہ ہماری ہستی اس کی مامتا کے آلام اور دکھ درد کا نتیجہ ہے ہماری صبح اس کی شام سے ہی عالم افروز ہے۔

علامہ اقبال فرماتے ہیں اس کے مقابلے میں دوسری طرف ایک خالی گود اس عورت کو دیکھو جو فیشن پرستی کی وجہ سے اور نئی تہذیب کی دلدادہ ہونے کی وجہ سے ماں بننے کو عار سمجھتی ہے یا بچے کی پیدائش کی تکلیفیں اٹھانے کو تیار نہیں یا جو ضبط تولید کے اصولوں پر عمل پیرا ہو کر بچے کی پیدائش کے ہی خلاف ہے۔ اس عورت کی سوچ مغرب زدہ ہے یہ اگرچہ بظاہر عورت نظر آتی ہے مگر حقیقت میں اسے

عورت نہیں کہا جاسکتا۔ کیونکہ وہ نسوانیت کے احساس سے بالکل خالی ہے اس نے قومی اور اخلاقی حد بندیوں کو توڑ کر پھینک دیا ہے وہ بازاروں میں اور سڑکوں پر ناز و نخرے کرتی پھرتی ہے اس کی آزادی اور عشوہ بازی اس کے ماں باپ عزیز و اقارب اور سوسائٹی کیلئے ہزاروں فتنوں کا باعث بنی ہوئی ہے۔ وہ بچوں کی ماں بننے سے کترا تی ہے مذہب اور دین کی حدود سے باہر نکل چکی ہے اس قسم کی لڑکی کی زندگی انتہائی تاریک اور بھیانک رات کی مانند ہے جس میں راستہ دکھانے کے لئے ایک ستارہ بھی جگمگاتا نظر نہ آتا ہو اس قسم کی عورت اگر ہماری قوم میں پیدا ہی نہ ہو تو بہتر ہے اس قسم کی بیکار عورت ہماری ملت کیلئے ایک انتہائی بدنما داغ ہے اس قسم کی عورت دنیا میں پیدا ہی نہ ہو تو اچھا ہے۔

بیشمار ستاروں کی طرح بے ستار کلمہ گو ہیں جنہوں نے زمانے کی تاریکیوں سے آنکھیں بند کی ہوئی ہیں۔ کتنے ہی بچے ہیں جنہوں نے ابھی تک عدم سے دنیا میں قدم بھی نہیں رکھا۔ وہ اس غنچے کی مانند ہیں جو ابھی تک کھلا ہی نہ ہو یا اس شبنم کی مانند ہیں جو ابھی تک پھولوں پر پڑی ہی نہ ہو۔ آخر کار جب وہ زندگی کے لالہ زار میں قدم رکھیں گے تو انہیں ہماری محترم و مکرم مائیں ہی جنم دیں گی اس لئے اے عقلمند لوگو! اے سمجھ سوجھ رکھنے والو! یاد رکھو کہ دنیا میں قوموں کی عزت بڑی اور ترقی کا انحصار سونے چاندی پر نہیں ہوا کرتا بلکہ قوموں کا عروج اور اقبال تندرست، توانا، روشن دماغ اور چست و چالاک محنتی افراد سے ہوتا ہے جو پہلے بچہ ہوتے ہیں اور پھر مائیں انہیں تربیت دیکر قوم کا بہترین اثاثہ بناتی ہیں۔

اقبال فرماتے ہیں مبارک ہیں وہ مائیں جو بہترین صفات اور عادات رکھنے والے بچے پیدا کریں جن کی بدولت ہماری قومی اخوت اور ملی رابطے کو تقویت پہنچ سکے۔ اس نظم کے آخر میں اقبال نے اپنے خیال کو ایک اور اسلوب سے قاری کے دل میں اتارنے کی کوشش کی ہے۔ کہتے ہیں دیکھو وہ دہقان زادی جو جاہل۔ پست قامت بدصورت کم زبان اور سادہ سی ہے مگر اس کا دل اپنی اولاد میں لگا ہوا ہے اور وہ ملت میں ایک غیرت مند اور حق پرست مسلمان کا اضافہ کرتی ہے وہ اُس

تعلیم یافتہ عورت سے ہزار درجہ بہتر ہے جس کی تعلیم نے اس کو خالی گود رہنا سکھا دیا ہے اور جس کے اثر سے اس کی نگاہ حیا سے اور اس کا دل فکر و خیال کی پاکیزگی سے محروم ہو گیا ہے یہ خاتون جس کا دماغ مغرب کی ضیا سے روشن ہے بظاہر عورت دکھائی دیتی ہے لیکن حقیقت میں وہ عورت نہیں ہے۔

فکر او از تاب مغرب روشن است　　　　ظاہرش زن باطن او نازن است

اس کی بے حجاب آنکھ اور فتنہ انگیز چلن نے ملت کی تعمیر میں رخنے ڈال دیئے ہیں اس کے علم نے مامتا کے بوجھ کو اٹھانے سے انکار کر دیا ہے گویا اس کی شام کے افق پر کوئی ستارہ نہیں چمکا اگر یہ کلی ہمارے گلستان میں نہ ہوتی تو اچھا ہوتا اور اگر اس کے وجود کا داغ ہمارے دامن سے دھل جائے تو بہتر ہوگا۔[1]

علم او بار امومت بر نتافت　　　　بر سر شامش یکے اختر نتافت

این گل از بستان ما نا رستہ بہ　　　　داغش از دامان ملت شستہ بہ

اقبال نے اس نظم میں یہ بتایا ہے کہ نوع انسانی کی بقا کا انحصار ماں پر ہے اور ماں کی حفاظت اور احترام عین اسلام ہے۔ اقبال ایک طرف عورت کی برتری اور فضیلت بیان کرتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ اسلامی نقطہ نظر سے عورت کا فرض یہ ہے کہ وہ ایک کامیاب اور بلند کردار ماں ثابت ہو دوسری طرف اس نظم میں اقبال نے یورپ کے اس رجحان کی سخت مذمت کی ہے جس کے تحت عورت صرف فیشن کا ایک پتلا بننے کو ہی اپنا کمال سمجھتی ہو یا پھر شمع محفل بن کر رقص و سرود کی محفلوں میں اپنی جسم نمائی کو ہی عورت کا ایک کرتب سمجھتی ہو۔ یا پھر سوسائٹی گرل بن کر زندگی گزارنا ہی وہ بہترین زندگی سمجھتی ہو یا صرف میک اپ کر کے اپنے آپ کو نازک اندام روشن دماغ اور شوخ چشم بننے کو ہی اپنا منتہی سمجھتی ہو اور ماں بننے سے کوسوں دور بھاگتی ہو ایسی عورت کو اقبال معاشرے کے لئے ایک بدنما داغ تصور کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ قوم میں اس قسم کا رجحان رکھنے والی عورتیں پیدا ہی نہ ہوں تو بہتر ہے

قرآن میں بھی اللہ تعالیٰ نے عورت اور مرد کے باہمی ازدواجی تعلقات کو لباس کے بلیغ استعارے میں بیان کیا ہے چنانچہ قرآن میں خدا تعالیٰ نے وضاحت کر دی

۱۔ اسرار و رموز پر ایک نظر ص ۱۲۲

هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ (وہ تمہارا لباس ہیں اور تم ان کا لباس ہو) یعنی عورتوں کو مردوں کا اور مردوں کو عورتوں کا لباس قرار دیا۔ یعنی عورت مرد کی عریانی کا پردہ اور اس کے جذباتِ عشق کا پیراہن بھی ہے۔ اسی طرح رسول کریمؐ کی مشہور حدیث ہے کہ جنت ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے اور ایک دوسری حدیث میں حضور نے عورتوں کو دنیا کی تین بہترین نعمتوں میں شمار کیا ہے۔

گفت با امت ز دنیائے شما ۔۔۔ دوست دارم طاعت و طیبِ نساء[1]

"اقبال نے اس نظم میں سب سے اہم بات یہ بیان کی ہے کہ پیغمبر انسانوں کی سیرت اور اخلاق کو بنانے سنوارنے کا کام انجام دیتے ہیں اور ماؤں کا منصب بھی یہی ہے وہ بھی اولاد کی سیرت بناتی اور سنوارتی ہیں لہذا ماؤں کے فریضے اور پیغمبر کے فریضے میں ایک قدر مشترک ہے اس بنا پر یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ ماں کی شفقت پیغمبر کی شفقت ہے[2]"

مخدراتِ اسلام سے خطاب

مثنوی رموزِ بیخودی کے اختتام پر اقبال "خطاب بہ مخدرات اسلام" کے عنوان کے تحت عورتوں کی قدر و منزلت کو ناصحانہ پیرائے میں یوں بیان فرماتے ہیں۔

اے ردایت پردۂ ناموسِ ما ۔۔۔ تابِ تو سرمایۂ فانوسِ ما
طینتِ پاکِ تو ما را رحمت است ۔۔۔ قوتِ دین و اساسِ ملت است
کودکِ ما چوں لب از شیرِ تو شست ۔۔۔ لا الٰہ آموختی او را نخست
می تراشد مہرِ تو اطوارِ ما ۔۔۔ فکرِ ما گفتارِ ما کردارِ ما
برقِ ما کو در سحابت آرمید ۔۔۔ بر جبل رخشید و در صحرا تپید
اے امینِ نعمتِ آئینِ حق! ۔۔۔ در نفس ہائے تو سوزِ دینِ حق!
دورِ حاضر تر فروش و پر فن است ۔۔۔ کاروانش نقدِ دیں را رہزن است
کور و یزداں ناشناس ادراکِ او ۔۔۔ ناکساں زنجیریٔ پیچاکِ او
چشمِ او بیباک و ناپرواستے ۔۔۔ پنجۂ مژگانِ او گیراستے
صیدِ او آزاد خواند خویش را ۔۔۔ کشتۂ او زندہ داند خویش را

۱۔ اسرار رموز ص ۱۱۱ ۔۔۔ ۲۔ اسرار رموز پر ایک نظر ص ۱۲۶

آب بند نخل جمعیت توئی ! حافظ سرمایۂ ملت توئی
از سر سود و زیاں سودا مزن گام جز بر جادۂ آبا مزن
ہشیار از دست برد روزگار گیر فرزندان خود را در کنار
ایں چمن زاداں کہ پر بکشادہ اند ز آشیانِ خویش دور افتادہ اند
فطرتِ تو جذبہ ہا دارد بلند چشم ہوش از اسوۂ زہرا مبند

تا حسینؓے شاخ تو بار آورد
موسمِ پیشیں بگلزار آورد

ان اشعار میں علامہ فرماتے ہیں۔

"اے عورت تیری چادر ہماری عزت کی محافظ ہے اور تیرا ہی نور ہماری فانوس یعنی ہماری زندگی کا حقیقی سرمایہ ہے تو نہ ہوتی تو نہ تو ہماری زندگی ہوتی اور نہ ہی زندگی کی یہ رونق ہوتی تیری ہستی اور تیری پاک طینت ہماری قوم کی بنیادوں کو مضبوط کرنے والی اور ہمارے لئے باعث رحمت ہے۔ ہماری ملت و قوم کے بچوں نے جونہی اپنے ہونٹوں کو تیرے سینے کے دودھ سے تر کیا تو تو نے سب سے پہلے انہیں توحید کا سبق سکھایا تیری محبت کے سانچے میں ہی دراصل ہماری گفتار اور کردار ڈھلتے ہیں۔ ہماری نظارہ سوز بجلیاں جو تیرے ابر میں پوشیدہ تھیں کبھی پہاڑوں پر چمکیں اور کبھی صحراؤں میں چمکتے ہوئے انہیں دیکھا گیا۔ تیرا فیض کبھی فاران کی چوٹیوں پر نمودار ہوا اور کبھی وادی ایمن میں ظاہر ہوا اور کبھی غار حرا میں جلوہ گر ہوا۔ تیری ہی بہترین تربیت فاروقؓ کی صورت میں سامنے آئی کبھی وہ صدیق کی شکل میں سامنے آئی۔ کبھی اس نے صلاح الدین ایوبی کا نام پایا اور کبھی وہ بت شکن محمود کی شکل میں نمودار ہوئی۔ اے عورت تو ہی تو آئین شریعت کی امین ہے۔ تیرے ہر سانس میں دین حق کا سوز پایا جاتا ہے۔"

اقبال ان اشعار میں طبقہ نسواں کی عزت و حرمت اور قدر و منزلت بیان کرنے کے بعد مسلمان خواتین کو مغرب زدہ اور فیشن زدہ خواتین کے سائے سے بھی دور رہنے کی تلقین کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"اے اسلام پسند اور فطرت پسند دختر نیک اختر! تیری عظمت تو بہت ہی بلند ہے اس عظمت اور برتری کو قائم و دائم رکھنے کے لئے میں تمہیں یہ نصیحت کرتا ہوں

کہ موجودہ زمانہ فریب اور دغابازی کا زمانہ ہے لہٰذا اس زمانے کے کم عقل اور کم فہم لوگ جو اپنے آپ کو تہذیب اور شرافت کا مدعی کہلاتے ہیں ان کے متعلق میں تمہیں آگاہ کرتا ہو کہ یہ لوگ دراصل سچائی اور یقین سے کوسوں دور ہیں ان کی عقل اندھی ہے ان کے دل مردہ ہیں ان کی روحیں بے حس ہیں یہ کوتاہ نظر صرف مادی کشش میں ہی الجھے ہوتے ہیں وہی مادی کشش جو انسانی اخلاق کی تباہی کا باعث ہے۔ یہ لوگ اپنے آپ کو آزاد اور روشن خیال کہتے ہیں حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ نفس کے غلام ہیں یہ دراصل مٹی کے پتلے ہیں جو اپنے آپ کو زندہ تصوّر کرتے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ مردہ ہیں بے حس ہیں۔

علامہ سلیمان خواتین کو اپنے فرض منصبی کا احساس دلاتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"اے رحمت خداوندی کے پیکر جسے عورت کہا جاتا ہے تو اپنی بہترین تربیت اور پرورش سے قوم کے مرجھائے ہوئے چمن کو نئے سرے سے تروتازہ کردے آج تو بھلے برے اور جدید و قدیم کے اعتباری فرق میں اپنے آپ کو نہ الجھا۔ تو اپنے نسوانیت کے عقیدے پر اپنے آپ کو استوار رکھ اور اپنے آباؤ اجداد کا سچا مسلک اختیار کر جس سے تیری عظمت اور احترام میں فرق نہ آنے پائے۔

اے محترم و معزز عورت تو وقت کی چالوں سے اور زمانے کے نئے نئے ہتھکنڈوں اور سازشوں سے خبردار رہ تو اپنے بچوں کو زمانے کی چالوں اور مکاریوں سے بچا کر چھپا کر انہیں اپنی آغوش میں لے کر ان کی تربیت اور پرورش کرتا کہ یہ نونہال جنہوں نے ابھی پر بھی نہیں کھولے تھے کہ اپنے آشیلنے سے زمانے کی مسموم ہوا سے دور جا پڑے ہیں انہیں اکٹھا کر کے تو پھر اپنی ماماتا کی آغوش میں لے۔

اے نیک اطوار دختر ہر قسم کی خوشیاں اور عطر بیز صداقتیں ترے دامن میں پوشیدہ ہیں تو بذات خود ایک روح افزا جنّت ہے۔ تیری فطرت میں بلند اور پاکیزہ جذبات پنہاں ہیں لہٰذا تو بنت رسولؐ حضرت فاطمہؓ کو اپنی روزمرہ زندگی کا ایک عملی نمونہ بنا کر انکی زندگی کو مشعل راہ بنا کر اسی طرح کی زندگی بسر کرنے کی تگ و دو کرتا کہ تو بھی حسینؓ جیسے عظیم فرزند پیدا کر سکے اور انہیں ملک و قوم کا سرمایہ بنا سکے اور تیری گود بھی عظیم اور نامور بیٹیوں کی گہوارہ ثابت ہو۔

مسلمان عورتوں کیلئے بہترین نمونہ

اقبال فرماتے ہیں کہ مسلمان عورتوں کیلئے حضرت سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراؓ کا طرز زندگی اسوۂ کاملہ ہے مسلمان عورتوں کو چاہیئے کہ وہ اپنی زندگی بنت رسولؐ کے طرز زندگی کے سانچے میں ڈھال کر بسر کریں یہی طرز زندگی ان کے لئے باعث افتخار ہو سکتا ہے اور یہی طرز زندگی انہیں اپنے بلند مقام اور رتبے پر فائز رہنے میں مددگار اور معاون ہو سکتا ہے اور اسی طریقے سے مسلمان عورت اپنا وقار قائم و دائم رکھ سکتی ہے۔ آپ رموز بیخودی میں فرماتے ہیں۔

مریم از یک نسبت عیسیٰ عزیز — از سہ نسبت حضرت زہرا عزیز
نور چشم رحمۃ للعالمینؐ — آں امام اولین و آخرین
آں جاں در پیکر گیتی دمید — روزگار تازہ آئین آفرید
بانوئے آں تاجدار ھل اتیٰ — مرتضیٰ مشکل کشا شیر خدا
پادشاہ و کلبۂ ایوان او — یک حسام و یک زرہ سامان او
مادر آں مرکز پرکار عشق — مادر آں کارواں سالار عشق
آں یکے شمع شبستان حرم — حافظ جمعیت خیر الامم!!
تا نشیند آتش پیکار و کیں — پشت پا زد بر سر تاج و نگیں
واں دگر مولائے ابرار جہاں — قوت بازوئے احرار جہاں
در نوائے زندگی سوز از حسین — اہل حق حریت آموز از حسین
سیرت فرزندہا از امہات — جوہر صدق و صفا از امہات
مزرع تسلیم را حاصل بتولؓ — مادراں را اسوۂ کامل بتولؓ
بہر محتاجے دلش آں گونہ سوخت — با یہودے چادر خود را فروخت
نوری و ہم آتشی فرمانبرش — گم رضایش در رضائے شوہرش
آں ادب پروردۂ صبر و رضا — آسیا گرداں و لب قرآں سرا
گریہ ہائے او ز بالیں بے نیاز — گوہر افشاندے بدامان نماز
اشک او برچید جبریل از زمیں — ہمچو شبنم ریخت بر عرش بریں

رشتۂ آئینِ حق زنجیرِ پاست | پاسِ فرمانِ جنابِ مصطفیٰ است
ورنہ گردِ تربتش گردیدمے | سجدہ ہا بر خاکِ او پاشیدمے

اس نظم کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت مریم کو تو صرف حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی والدہ ہونے کا فخر حاصل ہے مگر حضرت فاطمہ بنت رسولؐ کو تین قسم کی عظیم الشان اور لافانی نسبتوں کا فخر حاصل ہے انہیں ایک تو اعزاز حاصل ہے کہ وہ نبی اوّل و آخر حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی اور نورِ چشم تھیں آپ اس معزز ہستی کی صاحبزادی تھیں جس نے دنیا کے جسم میں روح پیدا کی اور زمانے کو ایک اہم دستور العمل دیا۔ دوسرا اعزاز حضرت فاطمہ کو یہ حاصل ہے کہ وہ تاجدار ھل اتیٰ حضرت علی مرتضیٰ شیر خدا کی بیوی تھیں جو اگرچہ باطنی لحاظ سے بادشاہ تھے مگر ان کے گھر کا اثاثہ ایک تیغ آبدار اور ایک زرہ تھی۔ تیسرا اعزاز انہیں یہ حاصل تھا کہ وہ حسنؓ اور حسینؓ کی والدہ تھیں جن میں سے ایک حسنؓ نے اُمت میں فتنہ و فساد کا سدباب کرنے کیلئے تاج و تخت پر لات مار دی تھی اور دوسرے حضرت حسین علیہ السلام حق و صداقت کی حمایت میں کربلا کی تپتی ہوئی ریت پر شہید ہوئے حسینؓ آقائے ابرار جہاں اور دنیا کے حریت پرستوں کے بازوؤں کی قوت تھے۔ زندگی کی آواز میں جو سوز ہے وہ حضرت فاطمہؓ کے بیٹے حضرت حسینؓ ہی کی وجہ سے ہے اور سچ بات یہ ہے کہ اہل حق نے حسینؓ کے طرز عمل سے ہی حریت اور آزادی کا درس حاصل کیا۔ ان بیٹوں کی بہترین سیرت ماؤں ہی کی وجہ سے ہے اولاد میں جو صدق و صفا کے جوہر پیدا ہوتے ہیں وہ ماؤں کی ہی تربیت کا نتیجہ ہوتے ہیں۔

حضرت فاطمہؓ تسلیم و رضا کا مجسم نمونہ تھیں ہماری مسلمان عورتوں کیلئے حضرت فاطمہؓ کی زندگی ایک بہترین نمونہ ہے۔ حاجت مند کی حاجت پوری کرنے کے لئے ان کے دل میں اس قدر ہمدردی تھی کہ اپنی واحد چادر بھی ایک یہودی کے ہاتھ فروخت کر کے حاجت مند کی حاجت روائی کی۔ وہ انتہائی خدا ترس تھیں ان کے دل میں انسانی ہمدردی کا بے پناہ جذبہ تھا۔ اطاعت و فرمانبرداری میں وہ اپنے شوہر کی بیحد فرمانبردار تھیں۔ وہ شوہر کی فرمانبرداری اور اطاعت کو خدا کی اطاعت اور رضا سمجھتی تھیں۔ ان کے انہی اچھے اوصاف کی وجہ سے جن و انس سب ہی ان کے فرمانبردار تھے۔ وہ صبر و رضا کا ایک مجسمہ تھیں وہ ہاتھوں سے چکی پیستی جاتی تھیں اور زبان سے قرآن

مجید کی تلاوت کرتی رہتی تھیں۔ چکی پیستے پیستے ان کے ہاتھوں پر چھالے پڑ جاتے تھے مگر وہ صبر و رضا کا مجسمہ کبھی شوہر کے سامنے شکوہ بھی زبان پر نہ لاتی تھیں اس قدر عبادت گذار تھیں کہ راتوں کو سوتی بھی نہیں تھیں ان کی راتیں خدا کی عبادت کرتے ہوئے سجدوں میں گذرتی تھیں یہی وجہ تھی کہ ان کے آنسوں بجائے تکیہ پر گرنے کے ہمیشہ جانماز پر گرتے رہتے تھے۔ ان کے آنسوں جانماز پر موتیوں کی قطروں کی طرح بکھرے پڑے رہتے تھے۔ یہ آنسو وہ قیمتی تحفہ تھے کہ حضرت جبریل ان آنسوؤں کو خود اٹھا کر عرش پر لے جاتے تھے۔"

اقبال فرماتے ہیں یہ آئینِ حق کے رشتے کی زنجیروں نے میرے پاؤں کو باندھ رکھا ہے اور جناب رسالت مآب صلعم کے حکم کا بھی پاس ہے یعنی آئین شریعت اور فرمان نبوی کا ڈر ہے ورنہ میرا جی تو یہ چاہتا ہے کہ اس عظیم خاتون کی قبر کے اردگرد طواف کروں اور اس کی خاک پاک پر سجدے کر کے اپنی پیشانی کو منور کروں۔"

سیرت بنت رسول حضرت فاطمہ زہرا

علامہ اقبال کی رائے میں عورتوں کے لئے اسوۂ کاملہ سیدۃ النسأ فاطمۃ الزہراؓ کی زندگی ہے جس کی تقلید عورتوں کو کاملیت بخش سکتی ہے۔ اقبال اپنے کلام میں مسلمان عورتوں کو یہ درس دیتے ہیں کہ وہ بنت رسول فاطمۃ الزہراؓ کی سیرت اور کردار اور طرز زندگی کو مشعل راہ بنائیں۔ یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سیدۃ فاطمہؓ کی سیرت اور کردار کی جھلک دکھائی جائے۔

خاتون جنت حضرت فاطمہ نے آغاز اسلام کا زمانہ پایا آپ ابھی کم سن ہی تھیں کہ آپ کی والدہ ماجدہ حضرت خدیجہؓ کا انتقال ہو گیا۔ خاتون جنت کی تعلیم و تربیت حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے کی یہ اسی تربیت کا نتیجہ تھا کہ حضرت فاطمہ اپنے اخلاق و عادات۔ ہدایت و اطاعت اور قول و فعل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ مشابہ تھیں۔ گوہر ایمان باطنی معارف و علوم اور قرآنی گفتار و اطوار آپ کی فطرت ثانیہ تھے عقلی اور عملی جوہر کے لحاظ سے ہی آپ فیضان رسالت کا کامل مظہر تھیں۔[1]

۱۔ الفاطمہ ص ۴۷

بچپن سے ہی آپ کی فطرت میں نرم کاوت۔ سخاوت۔ جرأت اور بسالت کے جوہر پائے جاتے تھے۔ آپ کم سنی سے ہی اپنی سب ہم عمروں میں منفرد اور ممتاز اور فائق تھیں۔ ایام طفولیت عام لڑکیوں کی طرح کھیل کود میں نہیں گذارا۔ کبھی ضد نہیں کی۔ نہ اصرار کیا۔ جوانی میں بھی نہ تو عمدہ کپڑوں کا خیال کیا۔ نہ بناؤ سنگھار کی طرف مائل ہوئیں۔ نہ زیور کا شوق کیا اور نہ ہی نمود و نمائش کا خیال کیا۔ اسی طرح مرتے دم تک ان کی زندگی خالص اسلامی رنگ میں رنگی رہی۔ کہا جاتا ہے کہ ابھی آپ چھوٹی تھیں کہ ایک بار حضرت خدیجہؓ کو کسی تقریب میں جانا تھا لخت جگر کیلئے زیب و زینت کا سامان نہ تھا اس خیال سے کہ دوسری ہم عمروں کو آراستہ و پیراستہ دیکھ کر فاطمہ ملول ہوں گی حضرت خدیجہ نے تقریب میں جانا ملتوی کر دیا جناب سیدہ نے ماں سے پوچھا "اماں جان! آپ کیوں نہیں جاتی؟" کہا "بیٹی کیسے جاؤں جب کہ تمہارے پاس شرکت کا کوئی سامان نہیں ہے" عرض کیا "مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں پدر محترم نے مجھے نصیحت کی ہے کہ مسلمان بیٹی کا زیور نکو کاری اور پرہیز گاری ہے[1]"

آپ سن بلوغت کو پہنچیں تو حضرت علی نے آنحضرت سے آپ سے تزویج کی خواہش کی۔ آنحضرت نے قبول فرمایا اور حضرت فاطمہ کا نکاح خود ہی حضرت علی سے پڑھایا۔ نکاح کے وقت نہ تو انہیں زرق برق لباس سے آراستہ کیا گیا نہ ہی جہیز میں سامان آرائش و زیبائش دیا گیا جو کچھ جہیز میں دیا گیا اس میں ایک قمیض۔ ایک چادر و ایک سیاہ کمبل۔ کھجور کے پتوں سے بنا ہوا بستر۔ ٹاٹ کے دو فرش۔ چمڑے کے چار تکئے۔ آٹا پیسنے کی چکی۔ تانبے کا بڑا لگن۔ ایک مشکیزہ۔ لکڑی کا پیالا۔ مٹی کی صراحی۔ مٹی کے دو آبخورے۔ زمین پر بچھانے کا چمڑا۔ ایک سفید چادر۔ ایک لوٹا۔ کھجور کے پتوں سے بنا ہوا ایک برتن۔

شادی کے بعد امورِ خانہ داری کی تقسیم یوں ہوئی "کہ برتن دھونے، چکی پیسنے، جھاڑو دینے۔ روٹی پکانے اور گھر کے دوسرے کام حضرت فاطمہؓ کریں گی اور باہر کا تمام کام حضرت علی سر انجام دیں گے[2]" چنانچہ جناب سیدہ گھر کا تمام کام کاج خود کرتی تھیں کپڑے خود دھوتی تھیں۔ چکی پیستے پیستے ان کے ہاتھوں پر چھالے پڑ گئے تھے۔ جھاڑو دینے اور برتن مانجھنے اور چولھا سلگنے سے ان کے کپڑے گرد آلود ہو گئے تھے

۱- الفاطمہ صفحہ ۵   ۲- الفاطمہ صفحہ ۲۵

پانی کی مشک اٹھاتے اٹھاتے سینے میں درد شروع ہو گیا تھا۔ چادر پھٹ جاتی تو اس میں پیوند لگا دیتیں ان کی چادر میں کئی پیوند لگے ہوتے تھے۔ آپ کے تین بیٹے حضرت امام حسن۔ امام حسین اور امام محسن اور دو بیٹیاں حضرت زینب اور حضرت ام کلثوم تھیں امام محسن بچپن میں ہی فوت ہو گئے تھے۔ بچوں کو بہترین تربیت دیکر انہیں قوم کا قابل فخر سرمایہ بنایا جنہوں نے دین اسلام کی ترقی اور حفاظت کے لئے اپنا سب کچھ قربان کیا۔ بچے جب سو جاتے تو ہاتھ سے انہیں پنکھا جھلتی تھیں اور زبان سے تلاوت قرآن کرتی جاتی تھیں چکی پیستے وقت گود میں بچوں کو لے لیتیں زبان سے قرآن پڑھتی تھیں ہاتھوں سے چکی چلاتی تھیں آپ کی تمام زندگی عبادت۔ ریاضت شوہر کی فرمان برداری اور اطاعت بچوں کی بہترین تربیت اور نگہداشت کرنے میں گزری۔ راتوں کو تہجد اور عبادت سے فارغ ہو کر چکی پیستی تھیں۔ چونکہ مکان مسجد نبوی کے قریب تھا اس لئے جب صبح کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لاتے تو حضرت فاطمہؓ کی چکی پیسنے کی آواز ان کے کان میں پڑتی تو آپ بے اختیار دعا فرماتے "اے بار الٰہا! فاطمہ کو اس ریاضت اور قناعت کا اجر دے اور اسے حالت فقر میں ثابت قدم رہنے کی توفیق عطا فرما۔"

حضرت فاطمہؓ زندگی کے آخری لمحوں تک عبادت، ریاضت اور اپنے گھریلو فرائض کی ادائیگی میں مصروف رہیں۔ موت سے چند دن پہلے جب کہ آپ بیمار تھیں تو اس بیماری کی حالت میں بھی معمول کے مطابق اپنا فرض ادا کرتی رہیں اسی بیماری کی حالت میں ایک دن حضرت علیؓ باہر سے تشریف لائے دیکھا کہ کچھ مٹی گھلی ہوئی ہے۔ کپڑے دھلے پڑے ہیں سیدہ چکی پیس رہی ہیں اور ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہیں حضرت علی سے ضبط نہ ہو سکا کہا۔ فاطمہ تمہاری حالت اس قابل نہیں ہے اس بات سے سیدہ فاطمہؓ کا جی بھر آیا اور وہ اور زیادہ رونے لگیں۔ حضرت علی نے دلاسا دیا تو کہا "علی رات میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا ہے۔ وہ کہہ رہے تھے فاطمہ میں تم کو لینے آیا ہوں اٹھو چلو اور بچوں کو خدا کے سپرد کرو اور جنت کی سیر کرو" علی میں نے اسی لئے مٹی گھولی ہے کہ بچوں کو کپڑے اپنے سامنے بدل دوں۔ جو اس

لئے پیس رہی ہوں کہ میرے بعد میرے بچے اور تم بھوکے نہ رہو۔[1] اسی بیماری کی حالت میں آپ گیارہویں صدی ہجری سہ شنبہ کے دن فوت ہوئیں۔ آپ کو آپکی وصیت کے مطابق رات کی تاریکی میں دفن کیا گیا اور کسی غیر محرم مرد کو جنازے میں شریک نہیں ہونے دیا گیا۔

حضرت فاطمہ پردے کی اس قدر پابند تھیں کہ انہوں نے مرتے وقت حضرت علی کو وصیت کی تھی کہ میرے جنازے میں کسی غیر محرم کو شریک نہ کیا جائے۔ آپکے نزدیک پردہ عورت کا دوسرا نام ہے آپ کا ارشاد ہے "کوئی عورت بلا اشد ضرورت دوسری عورت کو برہنہ نہ دیکھے۔ ہاں اگر کسی عورت کی بیماری یا بچے کی پیدائش کی وجہ سے بوجہ مجبوری اگر ایسا اتفاق ہو جائے تو پھر اس کے اعضاء کے متعلق اپنے شوہر کے پاس ذکر نہ کرے۔[2]" ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک نابینا صحابی عبداللہ بن مکتوم حضرت سیدہ کے گھر تشریف لائے حضرت فاطمہ کے پاس جو چادر تھی وہ چھوٹی تھی اگر سر کو اس چادر سے ڈھانپتی تھیں تو پاؤں ننگے ہو جاتے تھے اور اگر پاؤں کو ڈھانپتی تھیں تو سر ننگا ہو جاتا تھا۔ آنحضرت نے فرمایا "بیٹی عبداللہ بن مکتوم تو نابینا ہیں" سیدہ نے فرمایا "یا رسول اللہ میں تو بینا ہوں"۔

سخاوت کا یہ حال تھا کہ باوجود اس کے کہ گھر میں تین دن سب فاقے سے تھے مگر ایک بھوکے سائل کے لئے اپنی وہ چادر جو آنحضرت نے آپ کو جہیز میں دی تھی وہ چادر آپ نے حضرت سلمان رضؓ کو دی کہ وہ اس چادر کو کہیں گروی رکھ کر بھوکے سائل کو روٹی کھلائیں۔ حضرت سلمانؓ یہ چادر شمعون یہودی کے پاس لے گئے تاکہ وہ اس چادر کے بدلے تھوڑی سی جنس قرض دے۔ شمعون تھوڑی دیر اس چادر کو دیکھتا رہا پھر اچانک اس پر ایک خاص کیفیت طاری ہو گئی کہنے لگا "اے سلمان یہی وہ لوگ ہیں جن کی خبر ہمارے پیغمبر نے تورات میں دی ہے"۔ چنانچہ وہ فوراً مسلمان ہو گیا۔

حضرت انس سے روایت ہے کہ حضرت علی نے سیدہ فاطمہ سے پوچھا کہ عورت کی بہترین صفت کیا ہے؟۔ آپ نے فرمایا "نہ وہ کسی غیر مرد کو دیکھے اور نہ کوئی غیر مرد اسے دیکھے"۔

۱۔ الفاطمہ ص ۱۶۳ ۲۔ الفاطمہ ص ۲۷۸

آپ عالم و زاہد اور پاک سیرت اور بلند اخلاق کا بلند ترین نمونہ تھیں گھریلو ذمہ داریوں اور مذہبی فرائض کی ادائیگی میں کبھی بھی تساہل نہیں کیا۔ غرض یہ کہ آپ زہد و تقویٰ، عبادت و ریاضت، شرم و حیا اور پاکبازی کا مجسمہ تھیں۔ عورت میں جتنی بھی عفت و پاکیزگی ہو سکتی ہے آپ اس عفت و پاکیزگی کا مکمل نمونہ تھیں۔ آپ نے اپنے طرز عمل، گفتار و کردار اور اسلامی فرائض کی بجا آوری سے مسلمان عورتوں کو یہ درس دیا ہے کہ عورت دراصل انسانی سعادت اور شرافت کا مخزن ہے جو اپنی محنتوں اور مشقتوں سے ایک بلند قوم کی تعمیر اور تشکیل کرتی ہے۔ عورت ہی دراصل عفت و عصمت کا وہ گہوارہ ہے جس کے دامن میں معاشرے کے پاک طینت افراد تربیت پاکر قوم اور ملک کے لئے قابل فخر سرمایہ ثابت ہوتے ہیں۔

علامہ یورپ کی تہذیب میں عورتوں کے ساتھ جہاں حسن سلوک کے ثنا کی ہیں وہاں عورتوں کے اس طبقے کو عورت کے تقدس کی پیشانی پر ایک بدنما داغ تصور کرتے ہیں جو یورپین تہذیب کی تقلید کرتے ہوئے اپنے حقیقی فرائض کو چھوڑ کر محض شمع محفل بننے کی زیادہ دلدادہ ہیں مغرب کی اس تہذیب کا اثر مشرق پر پڑ چکا ہے اور مشرقی عورتوں نے بھی مغرب کی تہذیب کی نقالی کرتے ہوئے جہاں اپنے نسوانی اور حقیقی حسن کو مصنوعی حسن سے گہنا کر اپنے آپ محض ایک دھوکے کا جال بنا دیا ہے وہاں عورت کے بلند ترین مقام سے بھی عورت کو گرا دیا ہے۔ مغرب کی اندھی تقلید میں مشرق میں بھی بے شمار ایسی لڑکیاں پیدا ہو چکی ہیں جو محض فیشن اور عیاشی کی دلدادہ ہیں وہ شادی کی ذمہ داریوں مرد کی زیر حفاظت اخلاقی نگرانیوں اور اولاد کی پرورش کرنے اور اولاد پیدا کرنے کے فرض سے متنفر ہو چکی ہیں ان مغرب زدہ لڑکیوں کے نزدیک شادی گویا ان کے ضمیر کی تباہی ہے وہ اپنی آزادی کو برقرار رکھنے کیلئے اور اپنے آپ کو سوشل بنانے کے لئے اور کلبوں ہوٹلوں اور محفلوں کی زینت بننے کے شوق میں معصوم اور سادہ لوح عورتوں میں اس تخیل کی تبلیغ کرتی پھرتی ہیں کہ وہ مردوں سے آزادی حاصل کریں۔ مذہبی قیود و حدود سے نکل کر اپنی مرضی اور دلی خواہش کے مطابق

زندگی بسر کریں۔ وہ آزادی سے جو چاہیں کریں جہاں وہ چاہیں جائیں جو دل چاہے کریں۔ اس قسم کے خیالات رکھنے والی عورت کو علامہ عورتوں کے لئے باعث توہین اور طبقہ خواتین کے لئے باعث بدنامی قرار دیتے ہیں۔ علامہ اقبال اس سلسلے میں تصوراتی دنیا میں ہفت افلاک کی سیر کرتے ہوئے فلک مریخ پر ایک دوشیزہ کو دیکھتے ہیں جو جدید تہذیب اور جدید خیالات کی تبلیغ کرتی ہے اور عورتوں کو ان کے مقدس فرائض کی ادائیگی سے باز رہنے کی تلقین کرتے ہوئے عورتوں کو مادر پدر آزاد رہ کر زندگی گزارنے کا درس دیتی ہے اس دوشیزہ کو علامہ نے فلک مریخ کی نبیہ کا نام دیا ہے اسی عنوان کے تحت آپ جاوید نامہ میں اس مغربی تہذیب زدہ عورت کی زبان سے اس کی تبلیغ کو یوں بیان کیا ہے۔

اے زناں اے مادراں اے خواہراں — زیستن تا کے مثال دلبراں
دلبری اندر جہاں مظلومی است — دلبری محکومی و محرومی است
در دو گیسو شانہ گردانیم ما — مرد در نخچیر خود دانیم ما
مرد صیادی بہ نخچیر می کند — گردنو گردد کہ زنجیری کند
خود گدازی ہائے او مکر و فریب — درد و داغ و آز و مکر و فریب
گرچہ آں کافر حرم سازد ترا — مبتلائے درد و غم سازد ترا
ہمبر او بودن آزاد حیات — وصل او زہر و فراق او نبات
مار پیچاں از خم و پیچش گریز — زہر ہائش را بخون خود مریز!

از امومت زرد روئے مادراں
اے خنک آزادیٔ بے شوہراں

وحی یزداں پے بہ پے آید مرا — لذت ایمان بیفزاید مرا
آمد آں وقتی کہ از اعجاز فن — می تواں دیدن جنیں اندر بدن
حاصلے برداری از کشت حیات — ہر چہ خواہی از بنیں و از نبات
گر نباشد بر مراد ما جنیں — بے محابا کشتن او عین دیں
در پس ایں عصر اعصار دگر — آشکارا گردد اسرار دگر
پرورش گیرد جنیں نوع دگر — بے شب ارحام دریابد سحر

تا بمیرد آں سراپا اہرمن! ہمچو جیو انات ایام کہن!
لالہ ہا بے داغ و با دامانِ پاک بے نیاز از شبنمے خیزد ز خاک
خود بخود بیروں فتد اسرار زیست نغمہ بے مضراب بخشد تار زیست
آنچہ از نیساں فرو ریزد مگیر اے صدف ورزیر دریا تشنہ میر
خیز و با فطرت بیا اندر ستیز تا ز پیکارِ تو حر گردد کنیز
رستن از ربط دو تن توحید زن
حافظ خود باش و بر مرداں متن

ان اشعار میں علامہ اس فیشن زدہ اور مغربی تہذیب کی دلدادہ دوشیزہ کی جو طبقہ خواتین کو اپنے جیسا بنانے کی تبلیغ کرتی ہے اس کی اس تبلیغ کا مفہوم بیان کرتے ہیں کہ وہ کہتی ہے کہ

"اے عورتو! اے اپنے آپ کو مائیں کہلانے والیو! اور اپنے آپ کو بہن کہلانے والی عورتو! تم کب تک دنیا میں مردوں کی معشوق بن کر اور مردوں کی بیویاں بن کر زندگی بسر کرو گی؟ یہ یاد رکھو کہ ازدواجی زندگی عورتوں کے لئے باعث مظلومی ہے یہ ازدواجی زندگی عورتوں کے حقوق کی محرومی اور محکومی کا باعث ہے ہم اپنی دونوں زلفوں کی آرائش کر کے مردوں کو اپنے جال میں پھنساتی ہیں اسے اپنی آرائش و زیبائش کر کے اپنے دام میں گرفتار کرتی ہیں مگر یہ مرد ایسا چالاک واقع ہوا ہے کہ وہ ہمارا شکار بن کر ہمیں ہی شکار کرتا ہے وہ الٹا ہمارا صیاد بن جاتا ہے۔ وہ تمہاری خوشامد و چاپلوسی کرتا ہے اس کی خوشامد اور چاپلوسی محض اس لئے ہوتی ہے کہ وہ تمہیں اپنی زنجیروں میں جکڑ سکے یعنی تمہیں اپنی بیوی بنا سکے۔ مگر یاد رکھو کہ اس کی یہ تمام کوششیں اور اس کے درد و آرزو کا اظہار محض مکر و فریب پر ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ کافر مرد اگر تمہیں اپنا کعبہ ہی کیوں نہ بنا لے اور دن رات تمہارا طواف ہی کیوں نہ کرے اس کا دلی مقصد محض یہ ہوتا ہے کہ وہ تمہیں اپنی بیوی بنا کر تمہیں رنج و غم میں مبتلا کر دے۔ یہ یاد رکھو کہ زندگی میں مرد کا رفیق بننا اپنے لئے درد اور آزار مول لینا ہے اس کا وصل عورت کے لئے زہر ہے اور اس سے جدائی ہی عورت کیلئے

قند ہے۔ ان باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے اے مار پیچاں! میں تمہیں نصیحت کرتی ہوں کہ مرد کے خم و پیچ سے اور اس کی مکاری سے بچ کر رہ اور اس کے زہر کو اپنے خون میں ملنے کا موقع کبھی بھی نہ دے۔ دیکھو تو کتنا افسوس کا مقام ہے کہ ماں بننے کی ذمہ داریوں سے ماؤں کے چہرے زرد پڑ جاتے ہیں ان کے چہروں پر رونق نہیں رہتی۔ میں تو ان عورتوں کو مبارک باد کے مستحق سمجھتی ہوں جو کسی کی بیوی نہیں بنتیں یا جن کے شوہر نہ ہوں یہ دیکھو کہ میں نے شادی نہیں کی مرد سے بیزار رہی جس کی وجہ سے مجھے اتنی سعادت نصیب ہوئی کہ میں فلک مریخ پر بیٹھی ہوں خدا کی وحی بار بار مجھ پر نازل ہوتی ہے اور میرے ایمان کا ذوق دن بدن بڑھتا جا رہا ہے۔ اب سائنس کے کرشموں کے فیض سے عنقریب وہ وقت آنے والا ہے کہ عورت کو جس قدر اور جس قسم کے لڑکے لڑکیاں ضرورت ہوں گے وہ خود بخود آسانی سے حاصل کر سکے گی اور جو بچے اچھے اور اس کے حسب منشا نہ ہوں گے انہیں فوری طور پر ہلاک کر دیا جائے گا ہاں! تم بے فکر رہو یہ زمانہ بہت جلد آنے والا ہے سائنس کے کمالات ماں کے رحم میں ہی بچوں کی تکلیف اٹھائے بغیر ان کی پرورش آسان کر دیں گے۔ یہ بھی یاد رکھو کہ بچے بغیر باپ کے پیدا کئے جائینگے اور شیطانی مرد بہت سے پرانے حیوانات کی طرح اپنے آپ کو بیکار پا کر دنیا سے نیست و نابود ہو جائیں گے۔ اس چمن میں گل لالہ تو پیدا ہوں گے مگر انہیں اپنی پیدائش کیلئے شبنم کا شرمندہ احسان نہ ہونا پڑے گا۔ اب زندگی کا رباب قسم قسم کے دل پسند اور دلفریب نغمے تو پیدا کریگا مگر اس کے لئے مضراب کی کوئی ضرورت ہی نہ ہوگی اس لئے اے میری عزیز بہنو! اگر تم میں غیرت کا ذرا بھی شائبہ ہے تو دریا کی تہ میں صدف کی طرح تڑپ تڑپ کر مر جانا پسند کرو مگر ابر نیساں سے ٹپکنے والے قطروں کو کسی طرح بھی قبول نہ کرو۔ اٹھو اور ہمت کر کے فطرت سے جنگ آزما ہو کر ان عورتوں کو بھی آزاد ہونے کا موقع دو جو مردوں کی غلامی میں زندگی بسر کر رہی

ہیں یعنی جو بیویاں بن کر زندگی گزار رہی ہیں۔ اٹھو! ان مردوں سے باغی ہو جاؤ۔ دو اجسام کے اتصال کو توڑنا ہی عورت کے لئے مقام توحید ہے ان مردوں پر فخر کرنا بے سود ہے تم اپنی آزادی اور ناموس کی خود ہی محافظ بنو۔"

علامہ اس ننگ نسوانیت اور مغرب زدہ دوشیزہ کے متعلق فرماتے ہیں۔

چہرہ اش روشن ولے بے نور جان	معنی او بر بیانِ او گران
حرف او بے سوز و چشمش بے نمے	از سرورِ آرزو نا محرمے
فارغ از جوشِ جوانی سینہ اش	کور صورت ناپذیر آئینہ اش
بے خبر از عشق و از آئینِ عشق	صعوہ رد کردہ شاہینِ عشق

یعنی اس کا چہرہ تو بظاہر روشن ہے مگر اس کی جان میں نور نہیں ہے اس کی حقیقت اس کے اپنے ہی بیان پر گراں ہے۔ اس کی باتیں بے سوز ہیں اور اس کی آنکھوں میں تر و تازگی نہیں وہ آرزوؤں اور امیدوں کے سرور سے نامحرم ہے۔ اس کا سینہ جوانی کے جوش سے عاری ہے اس کا دل اس شیشے کی مانند ہے جو اندھا ہو اور جس میں صورت نظر نہ آ سکے یہ درحقیقت عشق و محبت اور آئین عشق کے اسرار و رموز سے بے خبر ہے۔ عشق کے شاہین نے اسے ممولا بنا دیا ہے۔

ماں کا پیار

ماں وہ ہستی ہے جس نے پیغمبروں، ولیوں اور ہزاروں عالموں کو جنم دیا یہی وہ ہستی ہے جو باعث آبادی کائنات بنائی گئی یہی وہ ہستی ہے جس کی گود میں دنیا کے نامور فاتحین نے پرورش پائی۔ ماں کے جسم میں قدرت نے وہ دل پیدا کیا ہے جس میں ممتا کا پیار ہے ماں اسی ممتا کے جذبے کی کشش سے ہزاروں غم خوشی سے سہتی ہے ہزاروں دکھ خوشی خوشی جھیل کر اپنی اولاد کی تربیت کرتی ہے وہ غم کو غم نہیں سمجھتی وہ خود تکلیفیں جھیل کر اپنے بچوں کو تکلیف سے بچاتی ہے وہ خود سردی اور گرمی کا شکار ہوتی ہے مگر اپنے بچوں کو سردی اور گرمی کے اثرات سے بچاتی ہے وہ پوری پوری رات جاگتے ہوئے کاٹتی ہے مگر اپنے بچے کو بے آرام نہیں ہونے دیتی وہ بچے کے سکھ

اور آرام کی خاطر اپنا سکھ اور آرام بھول جاتی ہے اس کے دل میں بس ایک ہی خواہش، ایک ہی آرزو اور ایک ہی تمنا ہوتی ہے کہ اس کا ننھا سا معصوم بچہ بڑھے پھلے پھولے دنیا کی بہاریں دیکھے اور خزاں کے تھپیڑوں سے محفوظ رہے۔ وہ اپنے دل میں امیدوں کے چراغ جلا کر آہستہ آہستہ اپنی معصوم کلی کی تربیت کرتی ہے اسے پروان چڑھانے کے لئے اس کی بہترین تربیت کرتی ہے اور اسے معاشرے کا ایک بہترین فرد بنا کر قوم کا ایک جزو بناتی ہے اس کی کوشش یہی ہوتی ہے کہ وہ اپنے بچے کو قوم اور ملک کا ایک قابل فخر سرمایہ بنائے جہاں تک اس کے بس میں ہوتا ہے وہ اپنی فطری خواہش کے مطابق اپنی اولاد کی بہترین تربیت کرتی ہے۔

علامہ اقبال ماں کو خدا کی ایک بہت بڑی نعمت قرار دیتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ انسان چاہے کتنا ہی بڑا آدمی کیوں نہ بن جائے، چاہے وہ کتنا ہی بلند مرتبے پر کیوں نہ ہو چاہے وہ کتنا ہی بڑا عالم و فاضل کیوں نہ ہو جونہی وہ ماں کے سامنے آتا ہے تو وہ اپنے آپ کو اس عظیم ہستی کے سامنے بالکل ہیچ پاتا ہے یہی ماں کی عظمت اور بڑائی کا احساس ہے جو ہر انسان کے دل میں قدرتی طور پر ہر وقت موجود رہتا ہے۔ ماں جب تک زندہ رہتی ہے اس کا دل اپنی اولاد کی بہتری اور بہبودی کے لئے دست بدعا رہتا ہے

علامہ اقبال کی والدہ کا نام امام بی بی تھا آپ بہت ہی نیک سیرت، پاکباز، عبادت گزار اور صابر و شاکر خاتون تھیں ان کی تربیت کا علامہ کی زندگی پر گہرا اثر پڑا۔ اسی پاک تربیت کا نتیجہ تھا کہ اقبال صاحب اقبال ہوئے۔ اقبال بھی اپنی والدہ کا بید احترام کرتے تھے۔ ۹۔ نومبر ۱۹۱۴ء کو ۷۸ سال کی عمر میں آپ کی والدہ کا انتقال ہوا۔ آپ کی والدہ کے مزار پر جو قطعہ تاریخ وفات کندہ ہے وہ اکبر الہ آبادی کا ہے وہ قطعہ تاریخ یوں ہے:[۱]

مادر مخدومۂ اقبال رفت	سوئے جنت زی جہان بے ثبات
گفت اکبر با دل پر درد و غم	رحلت مخدومہ تاریخ وفات

۱۳۳۲ھ

علامہ اقبال نے "بانگ درا" میں "والدہ مرحومہ کی یاد میں" کے عنوان سے ایک طویل نظم لکھی ہے۔ اس نظم میں علامہ اپنی والدہ کے فوت ہو جانے پر غم کے جذبات کے اظہار کے ساتھ ساتھ فنا و بقا کے مسئلے کو بیان کرنے کے بعد ماں کی ممتا اور اس

۱- روزگار فقیر جلد اول ص ۱۹۸

کی جدائی کا نقشہ کھینچتے ہوئے فرماتے ہیں:-

ذرہ ذرہ دہر کا زندانیِ تقدیر ہے — پردۂ مجبوری و بیچارگی تدبیر ہے
آسماں مجبور ہے شمس و قمر مجبور ہیں — انجمِ سیماب پا رفتار پر مجبور ہیں
ہے شکست انجام غنچے کا سبو گلزار میں — سبزہ و گل بھی ہیں مجبورِ نمو گلزار میں
نغمۂ بلبل ہو یا آوازِ خاموشِ ضمیر — ہے اسی زنجیرِ عالمگیر میں ہر شے اسیر
آنکھ پر ہوتا ہے جب یہ سرِّ مجبوری عیاں — خشک ہو جاتا ہے دل میں اشک کا سیلِ رواں
قلبِ انسانی میں رقصِ عیش و غم رہتا نہیں — نغمہ رہ جاتا ہے لطفِ زیر و بم رہتا نہیں
علم و حکمت رہزنِ سامانِ اشک و آہ ہے — یعنی اک الماس کا ٹکڑا دلِ آگاہ ہے
گرچہ میرے باغ میں شبنم کی شادابی نہیں — آنکھ میری مایہ دارِ اشکِ عنابی نہیں
جانتا ہوں آہ! میں آلامِ انسانی کا راز — ہے نوائے شکوہ سے خالی مری فطرت کا ساز
میرے لب پر قصۂ نیرنگیِ دوراں نہیں — دل مرا حیراں نہیں خنداں نہیں گریاں نہیں
پر تری تصویر قاصد گریۂ پیہم کی ہے — آہ! یہ تردید میری حکمتِ محکم کی ہے
گریۂ سرشار سے بنیادِ جاں پائندہ ہے — درد کے عرفاں سے عقلِ سنگدل شرمندہ ہے
موجِ دودِ آہ سے آئینہ ہے روشن مرا — گنجِ آب ورد سے معمور ہے دامن مرا
حیرتی ہوں میں تری تصویر کے اعجاز کا — رخ بدل ڈالا ہے جس نے وقت کی پرواز کا
رفتہ و حاضر کو گویا پا بپا اس نے کیا — عہدِ طفلی سے مجھے پھر آشنا اس نے کیا
جب ترے دامن میں پلتی تھی وہ جانِ ناتواں — بات سے اچھی طرح محرم نہ تھی جس کی زباں
اور اب چرچے ہیں جس کی شوخیِ گفتار کے — بے بہا موتی ہیں جس کی چشمِ گوہر بار کے
علم کی سنجیدہ گفتاری بڑھاپے کا شعور — دنیوی اعزاز کی شوکت جوانی کا غرور
زندگی کی اوج گاہوں سے اتر آتے ہیں ہم — صحبتِ مادر میں طفلِ سادہ رہ جاتے ہیں ہم
بے تکلف خندہ زن ہیں فکر سے آزاد ہیں — پھر اسی کھوئے ہوئے فردوس میں آباد ہیں
کس کو اب ہوگا وطن میں آہ! میرا انتظار؟ — کون میرا خط نہ آنے سے رہے گا بیقرار؟
خاکِ مرقد پر تری لیکر یہ فریاد آؤں گا — اب دعائے نیم شب میں کس کو میں یاد آؤں گا
تربیت سے تیری میں انجم کا ہم قسمت ہوا — گھر مرے اجداد کا سرمایۂ عزت ہوا
دفترِ ہستی میں تھی زریں ورق تیری حیات — تھی سراپا دین و دنیا کا سبق تیری حیات

عمر بھر تیری محبت میری خدمت گر رہی
میں تری خدمت کے قابل جب ہوا تو چل بسی

وہ جواں، قامت میں ہے جو صورتِ سروِ بلند
تیری خدمت سے ہوا جو مجھ سے بڑھ کر بہرہ مند

کاروبارِ زندگانی میں وہ ہم پہلو مرا
وہ محبت میں تری تصویر، وہ بازو مرا

تجھ کو مثلِ طفلکِ بے دست و پا روتا ہے وہ
صبر سے ناآشنا صبح و مسا روتا ہے وہ

تخم جس کا تو ہماری کشتِ جاں میں بو گئی
شرکتِ غم سے وہ الفت اور محکم ہو گئی

آہ! یہ دنیا، یہ ماتم خانۂ برنا و پیر!
آدمی ہے کس طلسمِ دوش و فردا میں اسیر!

کتنی مشکل زندگی ہے، کس قدر آساں ہے موت
گلشنِ ہستی میں مانندِ نسیم ارزاں ہے موت

زلزلے ہیں، بجلیاں ہیں، قحط ہیں، آلام ہیں
کیسی کیسی دخترانِ مادرِ ایام ہیں!

کلبۂ افلاس میں، دولت کے کاشانے میں موت!
دشت و در میں، شہر میں، گلشن میں، ویرانے میں موت

موت ہے ہنگامہ آرا قلزمِ خاموش میں
ڈوب جاتے ہیں سفینے موج کی آغوش میں

نے مجالِ شکوہ ہے، نے طاقتِ گفتار ہے
زندگانی کیا ہے، اک طوقِ گلو افشار ہے

قافلے میں غیر فریادِ درا کچھ بھی نہیں
اک متاعِ دیدۂ تر کے سوا کچھ بھی نہیں

ختم ہو جائے گا لیکن امتحاں کا دور بھی
ہیں پسِ نُہ پردۂ گردوں ابھی دور اور بھی!

سینہ چاک اس گلستاں میں لالہ و گل ہیں تو کیا؟
نالہ و فریاد پر مجبور بلبل ہیں تو کیا؟

جھاڑیاں، جن کے قفس میں قید ہے آہِ خزاں
سبز کر دے گی انھیں بادِ بہارِ جاوداں

خفتہ خاکِ پے سپر میں ہے شرار اپنا تو کیا؟
عارضی محمل ہے یہ مشتِ غبار اپنا تو کیا؟

زندگی کی آگ کا انجام خاکستر نہیں!
ٹوٹنا جس کا مقدر ہو، یہ وہ گوہر نہیں!

زندگی محبوب ایسی دیدۂ قدرت میں ہے
ذوقِ حفظِ زندگی ہر چیز کی فطرت میں ہے

موت کے ہاتھوں سے مٹ سکتا اگر نقشِ حیات
عام یوں اس کو نہ کر دیتا نظامِ کائنات

ہے اگر ارزاں تو یہ سمجھو اجل کچھ بھی نہیں
جس طرح سونے سے جینے میں خلل کچھ بھی نہیں

آہ! غافل! موت کا رازِ نہاں کچھ اور ہے!
نقش کی ناپائداری سے عیاں کچھ اور ہے!

جنتِ نظارہ ہے نقشِ ہوا بالائے آب
موجِ مضطر توڑ کر تعمیر کرتی ہے حباب

موج کے دامن میں پھر اس کو چھپا دیتی ہے یہ!
کتنی بیدردی سے نقش اپنا مٹا دیتی ہے یہ!

پھر نہ کر سکتی حباب اپنا اگر پیدا ہوا
توڑنے میں اس کے یوں ہوتی نہ بے پروا ہوا

اس روش کا کیا اثر ہے ہیئتِ تعمیر پر؟
یہ تو حجت ہے ہوا کی قوتِ تعمیر پر؟

فطرتِ ہستی شہیدِ آرزو رہتی نہ ہو
خوب تر پیکر کی اس کو جستجو رہتی نہ ہو

آہ! سیمابِ پریشاں، انجمِ گردوں فروز
شوخ یہ چنگاریاں، ممنونِ شب ہے جن کا سوز

عقل جس سے سر بزانو ہے وہ مدت ان کی ہے
سرگزشتِ نوعِ انساں ایک ساعت ان کی ہے،

پھر یہ انساں، آں سوئے افلاک ہے جس کی نظر
قدسیوں سے بھی مقاصد میں ہے، جو پاکیزہ تر

جو مثالِ شمع روشن محفلِ قدرت میں ہے
آسماں اک نقطہ جس کی وسعتِ فطرت میں ہے

جس کی نادانی صداقت کیلئے بیتاب ہے
جس کا ناخن سازِ ہستی کیلئے مضراب ہے

شعلہ یہ کمتر ہے گردوں کے شراروں سے بھی کیا؟
کم بہا ہے آفتاب اپنا ستاروں سے بھی کیا؟

تخمِ گل کی آنکھ زیرِ خاک بھی بے خواب ہے
کس قدر نشوونما کے واسطے بیتاب ہے

زندگی کا شعلہ اس دانے میں جو مستور ہے
خود نمائی، خود فزائی کیلئے مجبور ہے

سردیٔ مرقد سے بھی افسردہ ہو سکتا نہیں
خاک میں دب کر بھی اپنا سوز کھو سکتا نہیں

پھول بن کر اپنی تربت سے نکل آتا ہے یہ
موت سے گویا قبائے زندگی پاتا ہے یہ

ہے لحد اس قوتِ آشفتہ کی شیرازہ بند
ڈالتی ہے گردنِ گردوں میں جو اپنی کمند

موت تجدیدِ مذاقِ زندگی کا نام ہے
خواب کے پردے میں بیداری کا اک پیغام ہے

خوگرِ پرواز کو پرواز میں ڈر کچھ نہیں!
موت اس گلشن میں جز سنجیدنِ پر کچھ نہیں

کہتے ہیں اہلِ جہاں دردِ اجل ہے لادوا
زخمِ فرقت وقت کے مرہم سے پاتا ہے شفا

دل مگر، غم مرنے والوں کا جہاں آباد ہے
حلقۂ زنجیرِ صبح و شام سے آزاد ہے

وقت کے افسوں سے تھمتا نالۂ ماتم نہیں
وقت زخمِ تیغِ فرقت کا کوئی مرہم نہیں

سر پہ آجاتی ہے جب کوئی مصیبت ناگہاں
اشک پیہم دیدۂ انساں سے ہوتے ہیں رواں

ربط ہو جاتا ہے دل کو نالہ و فریاد سے
خونِ دل بہتا ہے آنکھوں کی سرشک آباد سے

آدمی تابِ شکیبائی سے گو محروم ہے
اس کی فطرت میں یہ اک احساسِ نامعلوم ہے

جوہرِ انساں عدم سے آشنا ہوتا نہیں
آنکھ سے غائب تو ہوتا ہے فنا ہوتا نہیں

رختِ ہستی خاک، غم کی شعلہ افشانی سے ہے
سرد یہ آگ اس لطیف احساس کے پانی سے ہے

آہ! یہ ضبطِ فغاں غفلت کی خاموشی نہیں!
آگہی ہے یہ دلاسائی، فراموشی نہیں!

پردۂ مشرق سے جس دم جلوہ گر ہوتی ہے صبح
داغ شب کا دامنِ آفاق سے دھوتی ہے صبح

لالۂ افسردہ کو آتش قبا کرتی ہے یہ
بے زباں طائر کو سرمستِ نوا کرتی ہے یہ

سینۂ بلبل کے زنداں سے سرود آزاد ہے
سینکڑوں نغموں سے بادِ صبحدم آباد ہے

خفتگانِ لالہ زار و کوہسار و رود بار!
ہوتے ہیں آخر عروسِ زندگی سے ہمکنار

یہ اگر آئینِ ہستی ہے کہ ہو ہر شام صبح
مرقدِ انساں کی شب کا کیوں نہ ہو انجام صبح

دامِ سیمینِ تخیل ہے مرا آفاق گیر
کر لیا ہے جس سے تیری یاد کو میں نے اسیر!

یاد سے تیری دلِ درد آشنا معمور ہے
جیسے کعبے میں دعاؤں سے فضا معمور ہے

وہ فرائض کا تسلسل نام ہے جس کا حیات
جلوہ گاہیں اسکی ہیں لاکھوں جہانِ بے ثبات

مختلف ہر منزلِ ہستی کی رسم و راہ ہے
آخرت بھی زندگی کی ایک جولاں گاہ ہے

ہے وہاں بے حاصلی کشتِ اجل کے واسطے
سازگار آب و ہوا تخمِ عمل کے واسطے

نورِ بطرت ظلمتِ پیکر کا زندانی نہیں
تنگ ایسا حلقۂ افکارِ انسانی نہیں

زندگانی تھی تری مہتاب سے تابندہ تر
خوبتر تھا صبح کے تارے سے بھی تیرا سفر

مثلِ ایوانِ سحر مرقد فروزاں ہو ترا!
نور سے معمور یہ خاکی شبستاں ہو ترا!

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے!
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے!

اس نظم کے پہلے بند میں علامہ نے یہ بتایا ہے کہ علم و عقل کی روشنی میں اب تک جو کچھ معلومات ہوئی ہیں وہ یہ ہیں کہ اس دنیا میں قدرت نے ایک ایسا نظام اور سلسلہ قائم کیا ہوا ہے کہ ہر چیز اسی نظام اور سلسلے کے تحت رواں دواں ہے۔

دوسرے بند میں علامہ نے یہ بتایا ہے کہ تقدیر کے سامنے انسان مجبورِ محض ہے اور علم و حکمت کے اصولوں کے تحت کسی کی وفات پر رونا دھونا بیکار ہے مگر اے مہرباں ماں جونہی تیری یاد آتی ہے تو یہ حکیمانہ باتیں بے حقیقت بن جاتی ہیں اور تیری یاد آتے ہی آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو جاتے ہیں۔

تیسرے بند میں علامہ یہ بتاتے ہیں کہ والدہ کی یاد آتے ہی عہدِ طفلی کی یاد تازہ ہو جاتی ہے نیز اس بند میں اقبال غم اور درد کو سرمایہ حیات قرار دیتے ہیں۔

چوتھے بند میں اقبال ماں کی عظمت کا قدرتی احساس ظاہر کرتے ہوئے یہ بتاتے ہیں کہ انسان چاہے کتنا ہی بڑا رتبہ کیوں نہ حاصل کرے وہ ماں کے سامنے پہنچتے ہی اپنے آپ کو معصوم بچے کی طرح پاتا ہے علامہ ماں کو عظیم ترین متاع اور اپنے آپ کو اس کے سامنے ہیچ قرار دیتے ہیں۔

پانچویں بند میں علامہ ماں کی ان عادات کو بیان کرتے ہیں جن کا وہ اپنے بچوں سے اظہار کرتی ہے یا ان خواہشات کا اظہار کرتے ہیں جن کی امید بچہ اپنی ماں سے رکھتا ہے اس بند میں علامہ ماں کا مرثیہ کہتے ہیں یہ تمام اشعار سرتاپا درد سے لبریز ہیں۔

چھٹے بند میں علامہ نے دنیا کو ماتم خانہ قرار دیا اور یہ کہا کہ اس دنیا میں کسی چیز کو ثبات حاصل نہیں ہے۔

ساتویں بند میں علامہ یہ بتاتے ہیں کہ زندگی کا انجام فنا نہیں ہے آٹھویں بند میں علامہ اقبال نے مرجانے یا موت کو زندگی کی دوسری اور حقیقی منزل قرار دیا ہے۔

نویں بند میں علامہ یہ بتاتے ہیں کہ انسان حقیقت میں مرتا نہیں بلکہ موت دراصل اس کی حقیقی زندگی کا آغاز ہوتی ہے۔

دسویں بند میں علامہ بیج کی مثال دیکر بتاتے ہیں کہ بیج زمین میں دفن ہوکر ہی نئے سرے سے اپنے اصل رنگ میں ظاہر ہوجاتا ہے۔

گیارہویں بند میں اقبال فرماتے ہیں کہ فنا اور بقا کا احساس ہی دراصل مرنے والوں کی یاد کو کم کردیتا ہے یہ ایک نامعلوم احساس ہے جس کا فائدہ یہ ہے کہ انسان بظاہر تو مرنے کے بعد دوسروں کی نظروں سے غائب ہوجاتا ہے مگر اس کی جدائی کے غم کو آہستہ آہستہ وقت نہیں بلکہ موت کا احساس ہی کم کردیتا ہے۔

بارہویں بند میں گردش صبح و شام کا منظر پیش کرنے کے بعد علامہ نے بتایا ہے کہ انسان کی زندگی کا حقیقی آغاز اس کے مرنے کے بعد ہوتا ہے۔

تیرہویں بند میں بتایا ہے کہ آخرت درحقیقت زندگی کی وہ منزل ہے جسے بقا حاصل ہے اس میں موت کو کوئی دخل نہیں ہے۔

اس کے بعد اقبال ماں کے لئے دعائیں دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ اے ماں تو ہی میری خوبیوں کا مرکز ہے تو نہ ہوتی تو مجھ میں نہ یہ خوبیاں پیدا ہوتیں اور نہ ہی میں اتنا بڑا آدمی بن سکتا۔

انگلستان کی عورتوں کے نام

علامہ اقبال دوسری گول میز کانفرنس میں ۱۹۳۱ء میں لندن تشریف لے گئے

مولانا غلام رسول مہر مدیر انقلاب بھی دوسری گول میز کانفرنس میں بطور صحافی شریک ہوئے تھے وہ لندن میں قیام کے دوران علامہ اقبال کے ساتھ ہی رہے۔ مولانا غلام رسول مہر نے لندن میں علامہ اقبال کی مصروفیات کی روئیدادیں اپنے خطوط بنام عبدالمجید سالک میں بھیجیں جو روزنامہ انقلاب میں شائع ہوتیں۔ ان روئیدادوں میں مولانا غلام رسول مہر فرماتے ہیں۔

"حضرت علامہ اقبال کیلئے ایک روز لائسیم کلب میں خواتین کی طرف سے جلسے کا اہتمام تھا لیکن چونکہ اسی وقت حضرت علامہ کو دوسرے مندوبین کے ہمراہ وزیر ہند سے ملنا تھا اس لئے حضرت ممدوح اس جلسے میں شریک نہ ہو سکے۔۔۔۔ جلسے میں معزز خواتین کی بہت بڑی تعداد جمع تھی جن میں سے لیڈی اردن، لیڈی ریڈنگ اور لیڈی منٹو خاص طور پہ قابل ذکر ہیں۔ مسز سروجنی نائیڈو نے حضرت علامہ کی بعض نظموں کا انگریزی ترجمہ سنایا۔ پرسوں حضرت علامہ، مولانا شفیع داؤدی اور مولانا شوکت علی کے اعزاز میں لیڈی لارنس نے ایٹ ہوم کا اہتمام کیا تھا جس میں متعدد خواتین شریک تھیں انہوں نے حضرت علامہ سے کہا کہ ہمیں کوئی خاص پیغام دیجئے۔ حضرت ممدوح نے فرمایا "انگلستان کی عورتوں کا فرض ہے کہ آئندہ نسل کو دہریت اور مادیت کے چنگل سے بچائیں"۔"

[redacted]

انقلاب ۲۸ نومبر ۱۹۳۱ء

باب ۶

گلہائے عقیدت

- اقبال کا فاطمہ بنت عبداللہ کو خراج عقیدت
- فاطمہ بنت عبداللہ کا سوانحی خاکہ
- اقبال کی نظر میں شرف النساء کا مقام
- شرف النساء کا سوانحی خاکہ

علامہ اقبال کی فاطمہ بنت عبداللہ کو خراج تحسین

جنگ طرابلس میں ایک عرب لڑکی فاطمہ بنت عبداللہ میدان جنگ میں غازیوں کو پانی پلاتی ہوئی شہید ہوگئی تھی۔ اقبال اس عظیم مجاہدہ کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

فاطمہ! تو آبروئے امت مرحوم ہے
ذرّہ ذرّہ تیری مشت خاک کا معصوم ہے

یہ سعادت حور صحرائی تری قسمت میں تھی
غازیان دین کی سقائی تری قسمت میں تھی

یہ جہاد اللہ کے رستے میں بے تیغ و سپر!
ہے جسارت آفریں شوق شہادت کس قدر

یہ کلی بھی اس گلستانِ خزاں منظر میں تھی!
ایسی چنگاری بھی یارب اپنی خاکستر میں تھی

اپنے صحرا میں بہت آہو ابھی پوشیدہ ہیں
بجلیاں برسے ہوئے بادل میں بھی خوابیدہ ہیں

فاطمہ! گو شبنم افشاں آنکھ تیرے غم میں ہے
نغمۂ عشرت بھی اپنے نالۂ ماتم میں ہے

رقص تری خاک کا کتنا نشاط انگیز ہے!
ذرّہ ذرّہ زندگی کے سوز سے لبریز ہے

ہے کوئی ہنگامہ تیری تربت خاموش میں
پل رہی ایک قوم تازہ اس آغوش میں

بے خبر ہوں گرچہ ان کی وسعت مقصد سے میں
آفرینش دیکھتا ہوں انکی اس مرقد سے میں

تازہ انجم کا فضائے آسماں میں ہے ظہور
دیدۂ انساں سے نامحرم ہے جن کی موج نور

جو ابھی ابھرے ہیں ظلمت خانۂ ایام سے
جن کی ضو ناآشنا ہے قیدِ صبح و شام سے

جس کی تابانی میں اندازِ کہن بھی، نو بھی ہے
اور تیرے کوکبِ تقدیر کا پرتو بھی ہے

فاطمہ بنت عبداللہ کا سوگ منانا

پہلی جنگ عظیم کے وقت طرابلس بھی دوسرے عرب ممالک کی طرح ترکی خلافت کے زیر نگین تھا، اس علاقے کے صحرانشین عرب اسلامی روایات کو سینے سے لگائے ہوئے تھے ان کی زندگی سادگی، جفاکشی، اسلام دوستی اور خلوص و مروت کا ایک حسین و جمیل مرقع تھی یہ سیدھے سادے اور بہادر لوگ اللہ اور اس کے رسولؐ

کے نام پر پروانہ وار اپنی جانیں نچھاور کرنا زندگی کی سب سے بڑی سعادت سمجھتے تھے اور اسلام کی عظمت کے لئے کٹ مرنا ان کے نزدیک سب سے بڑی عبادت تھی۔ قبائل طرابلس میں البراعصۃ قبیلہ اثر ورسوخ اور کثرت افراد کے لحاظ سے بہت ممتاز خیال کیا جاتا تھا۔ اس قبیلہ کے سردار شیخ عبداللہ جو وہاں کے باشندوں میں عبدہٗ کے نام سے مشہور تھے بے حد دیندار بہادر اور مخلص مسلمان تھے۔ شیخ اولاد نرینہ سے محروم تھے انکے ہاں صرف ایک بیٹی فاطمہ تھی جسے وہ بہت زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ فاطمہ طرابلس کے اسی صحرائی ماحول میں پرورش پا رہی تھی۔ ۱۹۱۲ء میں جب طرابلس پر جنگ کے مہیب بادل چھا گئے اور اطالوی فوجوں نے ان رجز خوانی سے معمور صحراؤں کو آتش وخون کے لرزہ خیز ہنگاموں سے جہنم زار بنا دیا تو اس وقت فاطمہ کی عمر گیارہ سال کے قریب تھی۔ خلافتِ ترکی کی طرف سے جہاد کا اعلان کیا جا چکا تھا چنانچہ شیخ عبداللہ نے طرابلس کے تمام عرب قبائل کو متحد اور منظم کر کے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کے لئے میدان جنگ میں لا کھڑا کیا۔ شیخ عبداللہ کی دعوت پر اندرون صحراء تک کے قبائل اپنی قدیم روایات کے مطابق اہل وعیال سمیت شریک جنگ ہو گئے۔ ہر قبیلے کے ساتھ اس کا پورا خاندان محاذِ جنگ پر موجود تھا۔ عورتوں میں عمر رسیدہ خواتین سے لیکر کمسن لڑکیاں تک سب شامل تھیں۔ عرب فوج کے ساتھ بچوں والی مائیں بھی موجود تھیں جن کے سرفروشانہ جذبات کا یہ عالم تھا کہ ایک طرف گود میں بچہ اٹھائے تھیں تو دوسری طرف شمشیر سنبھالے زخمی مجاہدین کو پانی پلاتی پھر رہی تھیں۔ چاروں طرف سے گولیوں کی بارش ہو رہی تھی اور بموں کے خوفناک دھماکوں سے کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ مگر ان نشۂ شہادت میں چور خواتین کے چہروں پر خوف وہراس کی کوئی علامت نظر نہ آتی تھی۔

شیخ عبداللہ کا تمام خاندان اس جہاد میں مصروف تھا مگر ان کی اکلوتی گیارہ سالہ بچی فاطمہ اپنے بے پناہ ذوق وشوق جرأت ودلیری کی وجہ سے تمام ترک فوجی افسروں کے لئے باعث حیرت بنی ہوئی تھی۔ ایک ترک افسر ڈاکٹر اسماعیل ثباتی بک نے جنگ کے چشم دید حالات بیان کرتے ہوئے اس ننھی مجاہدہ کے متعلق لکھا ہے۔

سب سے پہلے میں نے اس معصوم بچی کو اس وقت دیکھا جب میں پہلی دفعہ اپنے

ساتھیوں سمیت عزیزیہ سے زوارہ میں وارد ہوا تھا۔ یوں تو فوج میں عورتوں اور لڑکیوں کی کمی نہ تھی کیونکہ ہر عرب اپنے تمام خاندان سمیت جہاد میں شریک تھا مگر فاطمہ میں چند ایک ایسی خصوصیات تھیں جن کی وجہ سے وہ ہزاروں مردوں اور عورتوں میں علیحدہ پہچانی جاتی تھی۔ ایک تو وہ بہت کم عمر تھی۔ دوسرے اسے جنگ کے ہنگاموں اور زخمی مجاہدین سے کچھ ایسی محبت ہو گئی تھی کہ انتہائی خوفناک معرکوں میں بھی ہر سپاہی اسے محاذ جنگ پر اپنے آگے ہی دیکھتا تھا۔ جنگ خواہ حملے کی صورت میں ہو یا مدافعت کی شکل میں۔ ساحلی بیڑے سے گولوں کی بارش ہو رہی ہو یا تلواروں اور سنگینوں کی باڑیں سامنے ہوں۔ مگر ایک زخمی مسلمان کی آہ میں اس معصوم بچی کیلئے ایسی کشش تھی کہ وہ اپنی چھوٹی سی مشک سمیت اس جگہ پہنچ کر اپنا فرض انجام دینا کبھی نہ بھولتی تھی۔

اس کے دل میں ایک ایسا عشق تھا جس کی عمر اس کی اپنی عمر سے کہیں زیادہ تھی۔ یہ لہو ولعب یا کوئی فائدہ حاصل کرنے کے لئے نہ تھا بلکہ خون زخم اور کٹی ہوئی انسانی رگوں کا عشق تھا۔ جہاں کہیں یہ چیزیں موجود ہوتی تھیں وہ باد صبا بن کر برق رفتار ہرنی کی سی تیزی مگر فرشتۂ عشق کے پروں سے اڑتی ہوئی وہاں پہنچ جاتی۔ ایک مرتبہ میں نے دیکھا کہ بارود کے دھوئیں سے تمام فضا تاریک ہو رہی تھی۔ توپوں کی گھن گرج سے کانوں کے پردے پھٹ رہے تھے۔ گولوں کے پھٹنے سے ایک عارضی روشنی نمودار ہو جاتی تھی مگر اس کے ساتھ ہی دردناک انسانی چیخیں بجلی مہیب گرج اور کڑک کے ساتھ مل کر ایک عجیب دہشت انگیز سماں پیدا کر دیتی تھیں۔ ایسے جگر پاش اور زہرہ گداز عالم میں وہ معصوم ہرنی اپنا اونچا کرتہ پہنے اور پھٹی ہوئی چادر کمر کے گرد لپیٹے ہوئے اس طرح دوڑ رہی تھی جیسے بے بس و مجبور زخمیوں کی خبر گیری کے لئے کوئی فرشتہ آسمان سے نازل ہوا ہے اور اللہ نے زمین اور ہوا کو اس کے حکم کا پابند کر دیا ہے کہ وہ اٹھائے رہے اور یہ اڑتی رہے۔ سامنے سے توپ کے گولوں کی مسلسل بارش ہو رہی تھی مگر یہ اسی بارش پر تیرتی ہوئی جا رہی تھی۔ انسانی لاشیں ایک پر ایک گر رہی تھیں مگر ہر نئی لاش گرنے کی آواز اس کے دل میں خوف کی جگہ طاقت کی نئی رو پیدا کر دیتی تھی۔ یہ منظر دیکھ کر میں بے اختیار ہو گیا۔ میں نے سوچا کہ کچھ بعید نہیں کہ ایسے خطرناک اور یکسر موت و ہلاکت کے عالم میں یہ برق وش ہمیشہ کے لئے نگاہوں سے اوجھل ہو جائے۔ میں نے ارادہ کر

لیا کہ اب کی مرتبہ اگر فاطمہ نظر آئی تو کسی نہ کسی طرح پکڑ کر سمجھاؤں گا کہ موت کی اس درجہ آرزومند کیوں ہو گئی ہے؟ زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ ایک چھوٹا سا سایہ میرے قریب سے گزرا۔ میں نے لپک کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا تجھے نہیں معلوم کہ تو اپنے باپ کی ایک ہی بیٹی ہے؟ چھوڑ دو کیا تم بھول گئے ہو کہ اسلام اور وطن کے کتنے فرزند یہاں پیاسے دم توڑ رہے ہیں" یہ کہا اور نظروں سے غائب ہو گئی۔ وہ اکثر کہا کرتی تھی کہ مجھے سرخ رنگ سے عشق ہے۔ آہ! یہی رنگ ایک روز میں نے اس کی گردن کے نیچے بہت ہوا دیکھا۔"[1]

بارہ ہزار سے زیادہ اطالوی فوج نے دو ماہ کی مکمل تیاری کے بعد مسلمانوں پر حملہ کیا۔ اگرچہ ترک اور عرب فوج مل کر تین ہزار سے بھی کم تھی مگر انہوں نے خوب جی توڑ کر مقابلہ کیا اور دشمنوں کو ۱۲ سو لاشیں میدان جنگ میں چھوڑ کر ساحل کی طرف پیچھے ہٹنا پڑا۔ دوپہر کے وقت جب کہ اطالوی توپ خانہ دو طرف سے لگاتار گولے برسا رہا تھا اور بیک وقت ہزاروں بندوقیں چلنے کی دہشت ناک آواز سے فضا لرز رہی تھی ریگزار طرابلس میں موت اور ہلاکت کے علاوہ کوئی دوسری چیز دکھائی نہ دیتی تھی۔ اس وقت فاطمہ بنت عبداللہ بڑی تن دہی اور دلیری سے اپنے کام میں مصروف تھی۔ اس کے بالوں پر سرخی مائل ریت کی تہ جم چکی تھی۔ اس کے کپڑے خون کے جا بجا دھبوں سے سرخ ہو رہے تھے اور وہ چھوٹی سی مشک پیٹھ پر اٹھائے فضائے جنگ میں پروانہ وار اڑتی پھر رہی تھی۔ اس کی محویت سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ دنیا کے تمام رشتوں اور بندھنوں سے بے نیاز ہو چکی ہے۔ اسے نہ ماں باپ کا غم ہے اور نہ اپنے عزیز و اقارب کا کوئی خیال بلکہ وہ تمام خیالات سے یکسر خالی اپنی دھن میں غازیان دین کی سقائی میں مصروف تھی۔ عصر کے قریب مجاہدین نے بڑے جوش و خروش سے اطالویوں پر حملہ کیا اور پیش قدمی کرتے ہوئے دشمنوں کی صفوں کے اندر گھس گئے، بندوقیں بیکار ہو گئیں، تلواروں اور سنگینوں سے انسانی اعضاء ٹکڑے ٹکڑے ہو کر گرنے لگے۔ ایک ترک کمان افسر احمد نوری بک نے عربوں کو یوں لڑتے دیکھا تو وہ اپنے مٹھی بھر جانثاروں کو لیکر بڑھتا ہوا دشمنوں کے مشرقی توپ خانے تک جا پہنچا۔

۱۔ ماخوذ از الہلال دہلی ص۶

جہاں تازہ دم اطالوی فوج موجود تھی۔ ان اطالوی سپاہیوں نے ترک مجاہدین کو گھیر کر چاروں طرف سے حملہ کر دیا۔ ترک مجاہدین لڑتے ہوئے اطالوی سپاہیوں کے گھیرے سے باہر نکل آئے مگر زخمی ترک زمین پر پڑے سسک رہے تھے اور اطالوی ان کے سروں اور سینوں کو اپنی سنگینوں سے چھلنی کر کے غصہ فرو کر رہے تھے۔

یہ دردناک منظر دیکھ کر گیارہ برس کی یہ ننھی مجاہدہ ایک نڈر اور بے خوف سپاہی کی طرح ان کے گھیرے میں چلی گئی اس کی بے تاب نظریں زخمی مسلمانوں پر مرکوز ہو چکی تھیں۔ فاطمہ نے جاتے ہی اپنی مشک ایک تڑپتے ہوئے زخمی کے منہ سے لگا دی۔ ابھی زخمی کے حلق میں پانی کا ایک گھونٹ بھی نہیں پہنچا ہو گا کہ دو اطالوی سپاہیوں نے آگے بڑھ کر اسے گریبان سے پکڑ لیا۔ فاطمہ نے چھڑانا چاہا مگر ان کی گرفت بہت سخت تھی۔ فاطمہ نے غصے میں آ کر ایک زخمی سپاہی کی پڑی ہوئی خون آلود تلوار اٹھا کر اس زور سے ایک اطالوی سپاہی پر دے ماری کہ اس کے ہاتھ کا پنجہ زخمی ہو کر لٹک گیا۔ معاً گولی چلنے کی آواز سنائی دی اور ایک ہلکی سی چیخ فضا کو چیرتی ہوئی نکل گئی۔ تھوڑی دیر بعد جب جنگ و جدل کا یہ ہنگامہ فرو ہوا اور اطالوی شکست کھا کر بھاگ گئے تو دشمنوں کا تعاقب کرنے والے عرب اور ترک سپاہیوں نے ایک عجیب اندوہناک منظر دیکھا کہ چار ترک سپاہی زخموں سے چور زمین پر پڑے ہیں اور ان کے قریب فاطمہ کی خون میں لتھڑی ہوئی لاش اس حالت میں پڑی ہے کہ اس کی چھوٹی سی مشک ایک بے ہوش ترک کے سینے پر رکھی ہے اور مشک کا حلقہ فاطمہ نے بدستور مضبوطی سے پکڑ رکھا ہے۔ معلوم ہوتا تھا کہ اس بے مثال مجاہدہ نے گولیاں کھانے کے بعد بھی زخمی مسلمان کو پانی پلانے کی ہر ممکن کوشش کی تھی۔ مگر اس کا ہاتھ زخمی کے منہ تک نہ پہنچ سکا تھا۔

فاطمہ کی رگوں میں غیرت مند باپ کا خون موجزن تھا۔ اس نے اپنے خاندان کی شجاعت اور دلیری ورثے میں پائی تھی۔ اسلام کی محبت اس کی گھٹی میں شامل تھی۔ اس لئے وہ جانتی تھی کہ آزمائش و ابتلاء کے دور میں ایک مسلمان بیٹی کو کیسا کردار ادا کرنا چاہیئے۔ اس معصوم شہیدہ کے ماں باپ اس کے منہ سے لچر اور بیہودہ گانے سن کر خوش نہ ہوتے تھے بلکہ انہوں نے اپنی بیٹی کو اسلام کی عظمت، اللہ کی وحدانیت و کبریائی اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک تعلیم کے نغمات حفظ کرا رکھے تھے۔ اس

کا دل کعبۃ اللہ کی طرح مقدس اور پاک تھا۔ اس چھوٹے سے گھر میں اللہ کی محبت اور عشق رسولؐ کے سوا اور کچھ نہ تھا، اسے اپنی قوم کی ناموس کا احساس تھا اور اپنے وطن کے ریگزاروں میں مدفون عظمت کا پورا علم تھا۔ ایک گیارہ سالہ بچی جانتی تھی کہ اسلام کے زخمی فرزند جہنم کی طرح تپتی ہوئی ریت پہ ماہیٔ بے آب کی طرح تڑپ رہے ہوں تو اس کا کیا فرض تھا۔ خدا کی قسم! اس حور عین پر تمام دنیا کے ناز پروردہ بچے نچھاور کئے جاسکتے ہیں اور طرابلس کی سرزمین ہی نہیں بلکہ تمام ملت اسلامیہ فاطمہ پہ فخر کرسکتی ہے اور بجا طور پر یہ دعویٰ کرسکتی ہے کہ جس قوم کے گنجینۂ اوصاف میں فاطمہ ایسے لعل و گہر ہوں وہ قوم کبھی دنیا سے نہیں مٹ سکتی۔ وہ جب بھی پیدا ہوگی تاریخ اس کے اشاروں پر حرکت کرنے کے لئے مجبور ہوجاتے گی۔[1]

تمہارا فخر شرف النساء ہے

علامہ اقبال اپنی تصنیف جاوید نامہ میں شرف النساء کا کیریکٹر اور اعلیٰ صفات بیان کرتے ہوئے مسلمان عورت کی ایک اہم شان بتاتے ہیں اور مسلمان عورتوں کو یہ بتاتے ہیں کہ تم بھی اپنے اندر اس قسم کے اوصاف پیدا کرو تاکہ تم پر بھی فخر کیا جاسکے۔ علامہ کے اشعار میں شرف النساء کے اوصاف غیرت ملی اور ذوق روحانیت کے بلند ترین اوصاف ہیں فرماتے ہیں

گفتم ایں کاشانۂ از لعل ناب — آنکہ می گیرد خراج از آفتاب
ایں مقام ایں منزل ایں کاخ بلند! — حوریاں بر درگہش احرام بند
اے تو دادی سالکاں را جستجوئے — صاحب او کیست؟ با من باز گوئے
گفت ایں کاشانۂ شرف النساءست — مرغ بامش با ملائک ہم نواست
قلزم ما ایں چنیں گوہر نزاد! — ہیچ مادر ایں چنیں دختر نزاد
خاک لاہور از مزارش آسماں! — کس نداند راز او در جہاں!
آں سراپا ذوق و شوق و درد و داغ — حاکم پنجاب را چشم و چراغ
آں فروغ دودۂ عبدالصمد — فقر او نقشے کہ ماند تا ابد!!

۱۔ ماخوذ از شرف النساء جلد دوئم ص ۲۷۹

تا ز قرآں پاک می سوزد وجود
از تلاوت یک نفس فارغ نبود

در کمر تیغ دو رو قرآں بدست
تن بدن ہوش و حواس اللہ مست

خلوت و شمشیر و قرآن و نماز
اے خوش آں عمرے کہ رفت اندر نیاز

بر لبِ او چوں دمِ آخر رسید
سوئے مادر دید و مشتاقانہ دید

گفت اگر از رازِ من داری خبر
سوئے ایں شمشیر و ایں قرآں نگر

ایں دو قوت حافظ یک دیگر اند
کائنات زندگی را محور اند

اندریں عالم کہ میرد ہر نفس
دخترت را ایں دو محرم بود و بس

وقت رخصت با تو دارم ایں سخن
تیغ و قرآں را جدا از من مکن!

دل بآں حرفے کہ می گویم بنہ
قبر من بے گنبد و قندیل بہ

مومناں را تیغ با قرآں بس است
تربت ما را ہمیں ساماں بس است

ان اشعار میں علامہ نے جس بلند کردار خاتون شرف النساء بیگم کا ذکر کیا ہے۔ "یہ نواب خان بہادر کی بہن اور نواب عبدالصمد خان کی بیٹی تھیں یہ دونوں باپ بیٹے مغلیہ خاندان کے زمانہ حکومت میں یکے بعد دیگرے پنجاب کے گورنر تھے۔ آج شالامار باغ کو جاتے ہوئے بیگم پورہ گاؤں جو آباد ہے تو نواب عبدالصمد خان کی بیگم کے نام پر ہی اس جگہ کا نام بعد میں بیگم پورہ مشہور ہوا۔ نواب عبدالصمد خان اور اس کے بیٹے نواب خان بہادر خان کی قبریں بیگم پورہ میں چار دیواری کے اندر موجود ہیں انہیں مقبروں میں شرف النساء بیگم کا مقبرہ بھی ہے۔ شرف النساء بیگم نے محلات شاہی کے احاطہ میں ایک چبوترہ بنوا رکھا تھا جس پر سیڑھی لگا کر چڑھا جاتا تھا۔ ان کا معمول تھا کہ ہر روز صبح کی نماز کے بعد جوتا اتار کر اس چبوترہ پر بیٹھ جاتیں اور قرآن کی تلاوت کرتیں۔ ایک مرصع تلوار پاس ہوتی تھی جب تلاوت ختم کر لیتیں تو قرآن کو بند کر کے وہیں پڑا رہنے دیتیں اور اس کے ساتھ تلوار رکھ کر نیچے آجاتیں۔ مرتے وقت وصیت کی کہ مجھے اس چبوترہ پر دفن کیا جائے اور وہ قرآن اور تلوار قبر کے اوپر ہمیشہ کے لئے محفوظ رکھے رہیں چنانچہ وفات کے بعد انہیں وہاں دفن کر دیا گیا۔ مقبرہ کی بالائی دیواروں کے باہر سرو کے درخت ہیں اور ان کی وجہ

سے لوگ اب اس مقبرے کو سرو والا مقبرہ کہتے ہیں[1]۔"

علامہ اس باعظمت اور دین اسلام کی صحیح پیرو کار خاتون کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"میں عالم تصور میں جنت کی سیر کرنے کو گیا تو مجھے وہاں جواہرات کا بنا ہوا ایک محل نظر آیا جو اپنی چمک دمک سے آفتاب کو بھی شرماتا تھا اس محل کے دروازے پر حوریں احرام باندھے ہوئے پہرہ دے رہی تھیں۔ میں نے اس شاندار محل کو دیکھ کر رومی سے دریافت کیا کہ اے رومی تو نے سالکوں کو جستجو عطا کی ہے مجھے یہ بتاؤ کہ یہ کس کا محل ہے وہ کون خوش نصیب ہے جو اس کے اندر سکونت پذیر ہے رومی نے جواب دیا "یہ شرف النساء کا محل ہے جس کی چھت پر بیٹھنے والے پرندے فرشتوں سے مل کر نغمہ سرائی کر رہے ہیں۔ یہ وہ شرف النساء ہے کہ جس کی طرح کی بیٹی آج تک کسی ماں نے نہیں جنی اور نہ ہی ہماری دنیا کے سمندر میں اس قسم کا کوئی گوہر آج تک نمودار ہوا۔ لاہور کی سرزمین کو جو فخر حاصل ہے وہ دراصل اسی شرف النساء کے مزار کی وجہ سے ہے اس راز کو دنیا میں کوئی بھی نہیں جانتا۔

یہ شرف النساء حاکم پنجاب نواب عبدالصمد خان کے خاندان کا چشم و چراغ تھی اس کا فقر تا ابد دنیا میں نقش رہے گا۔

جب تک اس کے جسم میں سوز نفس تھا وہ قرآن مجید کی تلاوت کے بغیر ایک لمحہ بھی غافل نہیں ہوئی۔ خدا کی معرفت میں اس کا دل و دماغ ہمیشہ محو رہتا تھا۔ وہ خلوت نشین تھی یعنی پردے کے بیحد پابند تھی وہ اسلامی حدود و قیود کے اندر زندگی بسر کرتی تھی۔ عجز و نیاز میں اس کی زندگی بسر ہو رہی تھی اس کے ساتھی صرف تلوار، قران اور نماز تھے تلوار اس کی کمر میں رہتی تھی اور قرآن کی ہر وقت تلاوت کرتی رہتی تھی۔

جب اس کا آخری وقت آن پہنچا تو اس نے اپنی ماں کی طرف غور سے دیکھا اور انتہائی پیار اور محبت کی نظروں سے ماں کو دیکھتے ہوئے اسے کہا "اے ماں اگر تو میری زندگی کے رازوں سے آگاہ ہے تو تم خود جانتی ہو کہ یہ قرآن اور تلوار میری زندگی کے ساتھی رہے ہیں۔ تو اس تلوار اور اس قرآن کی طرف دیکھ یہی دونوں قوتیں دراصل

۱۔ جہان اقبال ص ۴۶۳

ایک دوسرے کی محافظ ہیں اور دنیا کا محور بھی یہی دو طاقتیں ہیں ان میں سے اگر ایک میں یعنی قرآن میں دستور زندگی بتایا گیا ہے تو دوسری چیز یعنی تلوار عملی طور پر اس دستور کو نافذ کرنے اور زندہ اور برقرار رکھنے کی ضامن ہے۔ اے ماں! ایسے وقت جب کہ ہر نفس نے چلا جانا ہے میں بھی اس دنیا سے جا رہی ہوں لہٰذا تیری بیٹی کے لئے یہی دو چیزیں زندگی کی محرم تھیں اور بس۔ لہٰذا میں اب اس دنیا سے جاتے وقت تمہیں یہ نصیحت کرتی ہوں کہ اس "تلوار اور قرآن کو مجھ سے دور نہ کیا جائے۔ میری اس بات کو دل کی گہرائیوں سے سن کہ میری قبر گنبد اور قندیلوں سے بدرجہا بہتر ہوگی جب اس پر یہ دونوں چیزیں موجود ہوں گی۔ کیونکہ میرا یہ عقیدہ ہے کہ مومن کے لئے قرآن مجید کے ساتھ تلوار نہایت ضروری ہے۔ لہٰذا میری قبر کے لئے بھی یہی دو تحفے کافی ہیں۔ میری قبر کو عالی شان گنبد اور قندیلوں کی جگہ قرآن اور تلوار سے آراستہ کیا جائے۔"

شرف النساء بیگم کی شادی

اٹھارہویں صدی کے اوائل میں پنجاب کے وائسرائے نواب عبدالصمد خان کے گھر میں اپنے دور کی ایک عظیم خاتون پیدا ہوئی جو شرف النساء بیگم کے نام سے مشہور ہوئیں۔ آپ کے والد نواب عبدالصمد خان شہنشاہ اورنگزیب عالمگیر کے عہد حکومت میں بخارا سے ہجرت کر کے دلی آئے۔ آپکے گھرانے کے سب لوگ بیحد دیندار متشرع اور خدا پرست تھے۔ ۱۷۱۳ء میں فرخ سیر نے نواب عبدالصمد کو پنجاب کا وائسرائے مقرر کر کے بھیجا۔ کیونکہ سکھوں کے ایک مذہبی گورو بندہ بیراگی نے پنجاب کے مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ کر رکھا تھا۔ نواب عبدالصمد نے اکتوبر ۱۷۱۳ء میں سکھوں کا مرکز لوہ گڑھ فتح کر لیا۔ بندہ بیراگی شکست کھا کر پہاڑوں میں روپوش ہو گیا اپریل ۱۷۱۵ء میں نواب عبدالصمد نے تیس ہزار فوج کے ساتھ اس کی گڑھی گرداس ننگل کا محاصرہ کر لیا۔ یہ محاصرہ آٹھ ماہ تک جاری رہا۔ آخر سکھوں نے بھوک سے تنگ آکر ہتھیار ڈال دیئے اور بندہ بیراگی اسی سال دسمبر میں زندہ گرفتار ہو گیا جسے شرف النساء بیگم کے بھائی نواب ذکریا خان عرف خان بہادر خان سات سو چالیس قیدیوں کے ساتھ شہنشاہ کے حضور میں دلی لے گئے۔

نواب عبدالصمد کے دیندار خاندان کی خواتین پردہ کی سخت پابند تھیں۔ مگر اس خاندان کی عظیم ترین دوشیزہ شرف النسا بیگم کے بے نظیر کردار کی پاکیزہ روشنی ایسی تھی کہ حرم کی چار دیواری اسے چھپانے میں ناکام رہی اور اس کا نور چاندنی بن کر دنیائے قلب و نظر پر غیر محسوس طریقے سے اس طرح چھا گیا کہ آج بھی روح اس کی کیفیت آفرینی سے جھوم جھوم جاتی ہے۔ علامہ اقبال نے اس عارفۂ ملت کی سیرت کا ایک جلوہ دکھا کر دنیا کو حیرت زدہ کر دیا۔

حالات و قرائن سے جو نتائج اخذ کئے جا سکتے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ شرف النسا نے بچپن ہی سے اسلام کی ٹھوس اور بنیادی تعلیم حاصل کی۔ گھر کی فضا ہر وقت ذکر الٰہی اور تسبیح و تحمید کے قدسی نغمات سے معمور رہتی تھی۔ قلوب اللہ اور رسول کی بے پناہ محبت سے سرشار تھے احکام الٰہی کی پابندی انہیں دنیا کی ہر چیز سے زیادہ محبوب اور عزیز تھی۔ زندگی سادگی اور استغناء کی رعنائیوں میں ڈوبی ہوئی تھی۔

شرف النسا کے باپ اور بھائی ہر وقت شہادت کی تمنا جھلکتی نظر آتی تھی۔ اس خاندان کا ہر فرد جانتا تھا کہ پانچ دریاؤں کے آغوش میں نشو و نما پانے والا سکھوں کی شوریدہ سری کا فتنہ مسلمانوں اور اسلام کے لئے ایک بہت بڑا خطرہ ہے کیونکہ نواب عبدالصمد کے پنجاب میں آنے سے قبل سکھوں نے جو قیامت برپا کر رکھی تھی۔ اور بے بس و مجبور مسلمانوں کے خون کو جس طرح ارزاں کر دیا تھا اس سے سب واقف تھے۔ ان حالات سے حرم میں خاموش زندگی بسر کرنے والی عصمت مآب خواتین تک بھی اچھی طرح باخبر تھیں۔ تاریخی تذکروں سے یہ بات ثابت ہے کہ شرف النساء کو قرآن کریم سے والہانہ عشق تھا۔ اس مومنہ کی پوری زندگی فقر و استغناء کا ایک ایسا شگفتہ پھول تھی جس کی مہک سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کا گلستان وجود ہمیشہ بہار بداماں رہے گا۔ اس وقت پنجاب کی کفر و شرک سے معمور فضاء میں شرف النسا کی پرسوز اور دل گداز قرأت مسلمانوں کے لئے حیاتِ نو کا ایک پیغام تھی۔ نواب عبدالصمد کے محل میں نغمۂ افلاک بن کر گونجنے والی یہ مقدس آواز اپنے ہر زیر و بم کے ساتھ مسلمانوں کو یہ درس دیتی تھی کہ اگر دنیا میں عزت و آبرو کے ساتھ زندہ رہنا چاہتے ہو تو زندگی کے اسلوب اس عظیم کتاب الٰہی میں تلاش کرو جسے تم نے گلدستۂ طاقِ نسیاں بنا رکھا

ہے۔ ورنہ یاد رکھو! پنجاب کے یہ خونخوار سکھ تمہاری بے عملی، خدا فراموشی اور اسلام سے بیوفائی کی عبرتناک سزا بن جائیں گے۔ اللہ کا قہر تمہارے سروں پہ منڈلا رہا ہے۔ دستِ قدرت اپنے آئین کے مطابق تمہارا احتساب کرنے کیلئے حرکت میں آنے والا ہے۔ اور یاد رکھو خدا صرف اس لئے تمہاری مدد نہیں کرے گا کہ تم مسلمان کہلاتے ہو اور مسلمانوں کے گھروں میں پیدا ہونے کی وجہ سے تمہارے نام مسلمانوں ایسے ہیں کیونکہ وہ صرف ان کی مدد کرتا ہے جو اپنی مدد آپ کرتے ہیں۔

شرف النساء تنہائی اور خلوت میں بڑی رقت اور خضوع کے ساتھ تلاوت قرآن مجید میں منہمک رہا کرتی تھیں۔ اس مقصد کے لئے انھوں نے ایک خوبصورت چبوترہ محل کے ساتھ ہی تعمیر کرایا تھا جس کے اردگرد خوش نما باغات اور حوض بنوائے گئے چاروں طرف سرو کے خوبصورت درخت لگائے گئے جو مغلوں کے فنِ تعمیر میں بڑی اہمیت رکھتے تھے۔ یہ کمرہ پندرہ فٹ آٹھ انچ کی بلندی پہ ہے اور اس کا رقبہ تیرہ فٹ دو مربع انچ کے قریب ہے۔ یہی وہ تاریخی عمارت ہے جو شرف النساء کی قدسی آواز سے گونجا کرتی تھی جس کی فضا میں آج بھی ان کی قرأت کے کیف آفریں قرآنی نغمات محفوظ ہیں۔ اس پاکیزہ عمارت کے در و دیوار اگرچہ شاہانہ عظمت و شوکت سے محروم ہیں، مگر حقیقت یہ ہے کہ اس کے ہر ذرے میں عرفان و حقیقت کے کئی تاج محل پوشیدہ ہیں۔ اس کی ہر اینٹ میں الحمراء کا حسن و جمال پنہاں ہے اور اس کے ہر ریزۂ سنگ میں شمس و قمر کی آب و جھلک رہی ہے۔ یہی وہ مختصر سا کمرہ ہے۔ جہاں شرف النساء روزانہ خلوت میں قرآن مجید کی تلاوت کیا کرتی تھیں۔ بخدا! اس حجلۂ تقدس پہ دیوانہائے خاص و عام اور کروڑوں شیش محل قربان کئے جا سکتے ہیں۔ شرف النساء کا یہ شغف اور بے پناہ ذوق و شوق صرف تلاوت تک محدود تھا اور وہ محض حصولِ ثواب کے لئے ایسا کرتی تھیں، ہرگز نہیں۔ شرف النساء کی زندگی کا جتنا حصہ تاریخ میں محفوظ ہے۔ وہ اس بات کا شاہد ہے کہ قرآن ان کے جذب دروں میں آباد ہو چکا تھا۔ ان کی زندگی قرآن کے اسرار و رموز اور حقائق و معارف میں ڈوب چکی تھی۔ قرآن مجید سے شرف النساء کا والہانہ عشق ایک مومنہ اور مجاہدہ کا عشق تھا۔ وہ واقف اسرار نہاں تھیں۔ ان کی بصیرت قرآن کے ہر لفظ کی گہرائی کو چھونے کی عادی تھی وہ پیکرِ عمل تھیں اور جوش

کردار کی حسین و جمیل علامت تھیں۔ زندگی بھران کا یہ معمول رہا کہ وہ روزانہ اس چبوترے پر قرآن خوانی کے لئے اس شان سے تشریف لایا کرتی تھیں کہ آنکھوں میں ملائک کی حیا، چال میں حوروں کا تقدس اور چہرے پر ایک باعمل مومن کا جلال و جمال محیط ہوتا تھا۔ ان کے پہلو میں ایک مرصع اور زرنگار شمشیر لٹکتی رہتی تھی جو ان سے کسی وقت علیحدہ نہ ہوتی کہتے ہیں کہ ہنگام تلاوت وہ اس شمشیر کو اپنے سامنے رکھتی تھیں انہوں نے اپنی پوری زندگی اسی طرح خاموش عبادت اور ریاضت میں بسر کر دی جب وقت آخر قریب آیا تو رحلت سے پہلے اپنی والدہ ماجدہ کو وصیت کی کہ مجھے اسی چبوترے میں دفن کیا جائے میری یہ دونوں چیزیں جو مجھے عمر بھر محبوب رہی ہیں یعنی قرآن اور تلوار میرے ساتھ دفن کی جائیں۔ آپ کی وفات کے بعد وصیت کے مطابق وہی چبوترہ ان کا مدفن بنا۔ شرف النساء کی خواہش کے مطابق قرآن مجید اور شمشیر قبر کے تعویذ پر رکھ دیئے گئے اور اس چبوترے کے اوپر ایک چھوٹا سا قبہ تعمیر کر دیا گیا اس چبوترے کا دروازہ پختہ اینٹوں کی دیوار سے بند کر دیا گیا تاکہ اندر جانے کیلئے کوئی راستہ نہ رہے خاک لاہور کو یہ شرف حاصل ہے کہ دوسرے کئی صاحب کرامت بزرگوں اور عظمت مآب شہنشاہوں کے علاوہ اس کے سینے میں شرف النساء ایسی بے نظیر، فقید المثال خاتون آرام فرما ہے۔ شرف النساء کا مقبرہ شالیمار کو جاتے ہوئے دائیں انگا کے مقبرے کے شمال میں چند قدم کے فاصلے پر آج بھی موجود ہے۔ جس کے چاروں طرف کثرت سے سرو کے درخت ہونے کی وجہ سے سرو والا مقبرہ کے نام سے مشہور ہے۔ اور بہت کم لوگوں کو علم ہے کہ عام شاہراہ سے ہٹ کر ایک کونے میں دنیائے اسلام کی ایک ایسی شخصیت محوِ خواب ہے جس کی مستور عظمت لاثانی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ مختصر اور سادہ پختہ مقبرہ انیس فٹ طول اور انیس فٹ عرض کے قطعہ زمین پر تعمیر کیا گیا ہے چبوترے سمیت اس کی بلندی ساڑھے انتالیس فٹ کے قریب ہے محکمہ آثار قدیمہ کی تحقیقات کے مطابق یہ مقبرہ دورِ مغلیہ کی ان تعمیرات کی آخری کڑی ہے جن کے حسین و جمیل نقوش کو سرو کے درخت دوبالا کرتے ہیں۔ اس مقبرے کے اندازِ تعمیر سے بھی شرف النساء کی عابدانہ اور عارفانہ زندگی کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ انہوں نے وفات کے بعد بھی اپنے تقدس اور حجاب پسندی کو کس طرح

پیش نظر رکھا۔ شرف النساء کے بھائی نواب ذکریا خان جو تاریخ پنجاب کی ایک معروف شخصیت تھے۔ اپنے باپ کی وفات کے بعد پنجاب کے وائسرائے مقرر ہوئے اور ۱۷۴۵ء میں فوت ہوئے۔ ممکن ہے کہ انہوں نے اس مقبرے کے باغات اور چشموں کو وسعت دی۔ سید عبداللطیف نے تاریخ لاہور میں ایک خوبصورت باغ اور حوض کی نشان دہی کی ہے۔ مگر اب اس میں سے کچھ بھی باقی نہیں رہا۔ افسوس ہے کہ شرف النساء کی تاریخ پیدائش اور وفات سے متعلق کوئی قابل اعتماد روایت نہیں ملتی۔ کہا جاتا ہے کہ ۱۸۴۰ء تک قرآن کریم اور مرصع شمشیر بدستور شرف النساء کی قبر کے تعویذ پر موجود رہے۔ مگر جب سکھ باہمی خانہ جنگی کا شکار ہوئے اور پنجاب میں ہر طرف طوائف الملوکی پھیل گئی تو ایک لالچی سکھ نے اس خیال سے شرف النساء کے مقبرے کا دروازہ منہدم کر دیا کہ شاید اس میں مال و دولت بند ہو۔ وہاں اس درندہ صفت انسان کو اور تو کچھ نہ ملا۔ وہ اس مخدرہ عصمت کی تاریخی تلوار اور قرآن چوری کر کے لے گیا۔ افسوس ہے کہ اس عظیم خاتون نے اپنی جن دو محبوب چیزوں کو مرنے کے بعد بھی جدا کرنا گوارا نہ کیا، وقت کے بے رحم ہاتھوں نے انہیں لوٹ لیا اور آج تک معلوم نہ ہو سکا کہ شرف النساء کی یہ تاریخی امانت کہاں گئی۔

اس عالی مرتبت اور اسلام کی عاشق خاتون کے حالات پہ صدیوں تک پردہ پڑا رہا۔ مؤرخین نے نواب عبدالصمد اور ذکریا خان کے حالات میں ان کا سرسری سا ذکر کرنے پہ اکتفا کیا جس کی وجوہ پر ہم روشنی ڈال چکے ہیں۔ عرصہ دراز کے بعد حکیم الامت علامہ اقبال مرحوم نے پہلی مرتبہ جاوید نامہ میں ان کی عظمت اور بلند کرداری سے پردہ سرکایا تو لوگ شرف النساء کے نام سے قدرے واقف ہوئے۔ علامہ مرحوم نے جس عقیدت اور ارادت کے ساتھ اس عارفۂ ملت کا ذکر کیا ہے اس سے شرف النساء کے مرتبہ کا اچھی طرح اندازہ ہو سکتا ہے۔ وہ تو یہاں تک کہہ گئے ہیں کہ کسی ماں نے اس عظمت کردار کی مالک بیٹی جنی ہی نہیں اور ہماری ملت کے بحر پایاب میں آج تک کوئی ایسا موتی پیدا نہیں ہوا۔

شرف النساء کی زندگی ہماری قوم کے لئے پیغام عمل کی حیثیت رکھتی ہے اور اگر ان کے زندگی بھر کے معمول پر غور کیا جائے تو شرف النساء ہمیں ایک بہت

بڑی حقیقت سے روشناس کراتی ہیں کہ قرآن مومن کا جمال اور تلوار اس کا جلال ہے ایک سچے مسلمان کی زندگی ان ہی دو عناصر سے بنتی ہے شرف النساء ہمیں بتاتی ہیں کہ قرآن ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ اس میں انسان کی انفرادی زندگی کے معمولی مسائل سے لیکر اجتماعی زندگی کے بڑے بڑے پیچیدہ معاملات تک کے لئے ہدایت موجود ہے۔ ایک اسلامی سوسائٹی میں گدائے بے نوا کی تیرہ و تار جھونپڑی سے لیکر دربار شاہی تک اور بچپن سے لیکر بڑھاپے تک اور پیدائش سے لیکر موت تک مسلمان کا ہر فعل اور ہر کام قرآن کی حدود کے اندر رہنا چاہیئے۔ قرآن ایک غیر متبدل اور اٹل آئین فطرت ہے جو ہمیں زندہ رہنے کے اسلوب سکھاتا ہے۔ قرآن مسلمانوں کی عظمت اور سلطنت ہے اور تلوار اس کی محافظ ہے۔ اس حقیقت سے آج بھی کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا کہ کسی ملک کا آئین حکومت کیسا ہی بے نظیر اور مکمل کیوں نہ ہو۔ اگر اس کی حفاظت کے لئے اس ملک کے پاس فوج نہ ہو۔ اور اس قوم کے افراد میں دشمنوں کا مقابلہ کرنے کی طاقت نہ ہو۔ تو وہ چند سال بعد ہی اپنے آئین سمیت تاریخ کے اوراق میں دفن ہو جائے گا کیونکہ دشمن قوتیں اسے کبھی زندہ نہ رہنے دیں گی۔ شرف النساء کی زندگی بھی اسی حقیقت کی آئینہ دار ہے۔ وہ عرفان حقیقت تک پہنچنے کے بعد ہمیں یہ درس دیتی ہیں کہ اسلام قرآن کی صورت میں دنیائے انسانیت کے لئے ایک رحمت بن کر آیا ہے یہ انسان کی حقیقی آزادی اور عظمت کا علمبردار ہے اور اس کی تعلیم پر عمل پیرا ہو کر ہم ضمیر کائنات کو بدل سکتے ہیں۔

شرف النساء کی زندگی اس مسلک کی طرف عملی اشارہ ہے کہ قرآن اگر بلند ترین زندگی کا نام ہے تو تلوار اس کی حفاظت کا ایک ذریعہ ہے اور یہ دونوں قوتیں ایک دوسرے کی محافظ ہیں۔ شرف النساء کی بصیرت نے اس حقیقت کو پا لیا تھا کہ مسلمان خیر و شر کی اس دنیا میں اسی صورت زندہ رہ سکتا ہے کہ اس کے ایک ہاتھ میں قرآن اور دوسرے ہاتھ میں تلوار ہو قرآن سے وہ انسانی دنیا کو رشک فردوس بناتا جائے۔ اسے گہوارہ امن و امان میں بدلتا ہے اور تلوار سے اس کی حفاظت کا کام لیتا رہے۔ تلوار کو زندگی سے خارج کر دیا جائے تو بدی کی کوئی نہ کوئی طاقت

تہرالٰہی بن کر نازل ہو جاتی ہے۔ قرآن کی ہر آیت ہمیں اس حقیقت سے آشنا کر دیتی ہے کہ مومن دنیا میں کمزور اور بے بس بن کر زندہ نہیں رہتا۔ قرآن جس دین کی تعلیم دیتا ہے اس کی حفاظت بھی ہر مومن پر واجب قرار دیتا ہے اسی کو قرآن کے الفاظ میں جہاد کہا جاتا ہے۔ کافر اور مومن میں یہی فرق ہوتا ہے کہ کافر کی تلوار ہر قید و بند سے آزاد ہوتی ہے۔ مگر مومن کی تلوار ہمیشہ قرآن کے تابع فرمان رہتی ہے۔

شرف النساء ایک باعمل مومنہ تھیں۔ انہوں نے اپنی زندگی کو اسی حقیقت کا آئینہ دار بنا رکھا تھا وہ تاریخ اسلام کی پہلی اور آخری خاتون ہیں جن کی سیرت میں جہاں سادگی، عبادت، ریاضت اور تقویٰ کا پہلو نمایاں ہے۔ وہاں بے پناہ فلسفیانہ گہرائی بھی نظر آتی ہے جس کا درس دینے کے لئے انہوں نے اپنی پوری زندگی کو اسی سانچے میں ڈھال کر ایک زندہ جاوید مثال ہمارے سامنے رکھ دی اور خاموش زبان میں کہا اے مسلمان مرد و! دنیا میں عظمت و وقار کے ساتھ رہنا چاہتے ہو تو اپنی دنیا کو قرآن اور تلوار کی رفاقت سے آباد رکھو۔ اگر تم نے ان دونوں کو فراموش کر دیا تو خدا تم کو فراموش کر دے گا اور تم ذلیل و خوار کئے جاؤ گے۔

[redacted]

۱۔ ماخوذ از شرف النساء جلد دوم